# اسلامی بینکاری میں شرکت ومضاربت کی مروجہ اشکال کا جائزہ

سلمان احمد خان*

غلام نبی علوی**

Abstract:

There are different aspects of distribution of profit in Islamic banks. A keen review is required to evaluate the accuracy of this profit distribution. This article examines some of these aspects. Islamic banks keep a portion of profit as a reserve but this profit is not given to the client who is leaving the bank, instead it is awarded to a new client who is replacing the old one. This study suggests to confer this profit to the old client as it is earned by his money not by the wealth of a new depositor. All conditions of partnership also show the same view. This study will also provide detailed Shariah aspects of 'Dminishing Musharakah' practiced in Islamic banks, which is mostly the combination of 'Ijarah' and ' Bai'. It is also necessary for bank to provide details of profit and loss to the depositors; to inform them about the transactions in which negligence of the bank is involved and not to make the depositors habitual to get the profit forever. This study also condemns the viewpoint to provide guarantee to the depositor for their principal amount. Constantly making 'Hiba' from bank to the depositors is also against the goals of Shariah. The study will furnish the solutions for the problems faced by Islamic banks in above mentioned aspects. We rightly claim that Islaam is a complete code of life, so, its guidelines are also very comprehensive for every field of life, there is only need to prove it in an ideal manner.

Keywords: Islamic banks, 'Ijarah', 'Bai', Depositor, goals of Shariah

اسلامی بینکوں میں نفع کی تقسیم کے مختلف پہلو ہیں جن کا گہری نظر سے جائزہ لینا ضروری ہے۔اس مقالے میں تقسیم نفع کے چند اہم مروجہ پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے تا کہ موجودہ اسلامی بینکاری نظام میں موجود خامیوں کو دور کرتے ہوئے اور خوبیوں کو مزید بہتر بناتے ہوئے مروجہ اسلامی بینکاری نظام کو مضبوط شرعی بنیادوں پر استوار کیا جا سکے۔

* بزنس سکول، یونیورسٹی آف سنٹرل پنجاب، لاہور

** پی ایچ ڈی سکالر، شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

## شرکت میں احتیاطی کا استحقاق

شرکت کے حوالے سے المعاییر الشرعیۃ میں یہ بات درج ہے کہ بڑی شرکتوں کو جاری رکھنے کے لئے کچھ ناگزیر معاہدے ہوتے ہیں، چنانچہ یہ معاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ہم اپنے نفع کی مخصوص مقدار بطور احتیاطی (ریزرو) رکھیں گے، اور اس کے عام طور پر تین مقاصد ہوتے ہیں: ا۔شرکت یا کمپنی کی ساکھ کو برقرار رکھنا ۲۔آئندہ اگر رأس المال میں خسارے کا سامنا کرنا پڑے تو اس احتیاطی سے پورا کرنا، البتہ اوسط نفع کی تقسیم کو برقرار رکھا جاتا ہے ۳۔کمپنی یہ چاہتی ہے کہ ہر سال شرکاء کو ایک خاص تناسب سے نفع دیا جائے لہٰذا اگر کسی سال نفع ہوا تو اس احتیاطی نفع کو کام میں لا کر اس کے ذریعہ نفع کی مقدار پوری کردی جائے۔(۱) احتیاطی کی وجہ جواز یہ بیان کی جاتی ہے کہ کیونکہ اس پر تمام شرکاء باہم رضامند ہیں اس لئے یہ جائز ہے۔اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بینک میں تو شرکاء آتے جاتے رہتے ہیں تو اب موجودہ شرکاء کے نفع کا حصہ آئندہ شرکاء کے لئے رکھا جارہا ہے حالانکہ یہ تو موجودہ شرکاء ہی کا حق تھا۔اس اشکال کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ جب اس بات پر شرکاء راضی ہیں کہ ہم اپنے نفع میں سے اتنا حصہ آئندہ کے شرکاء کے لئے بھی رکھ دیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خود بھی اگلے سال شرکاء رہیں تو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور پھر یہ بات بینک کے انتظام میں بھی لکھی ہوتی ہے لہٰذا جو بھی شریک ہوتا ہے وہ اس کو مان کر ہی شریک ہوتا ہے۔(۲)

راقم کے خیال میں احتیاطی رکھنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے اور عام طور پر کسی کاروبار میں شریک لوگ اس طرح کیا کرتے ہیں کہ ایک خاص تناسب سے نفع لیتے رہتے ہیں اور کچھ نفع بچا کر رکھا جاتا ہے تاکہ بوقت ضرورت کام آئے۔لیکن احتیاطی کا نفع ان ہی شرکاء کو ملنا چاہئے جن سے لے کر یہ نفع احتیاط کے طور پر رکھا گیا تھا۔اگر ہم احتیاطی رکھنے کے مذکورہ بالا تین مقاصد پر غور کریں تو بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کا مقصد موجودہ شرکاء کے رأس المال اور نفع کے مخصوص تناسب کو محفوظ کرنا ہے یا پھر کمپنی کی ساکھ کو برقرار رکھنا۔ان تینوں مقاصد میں آئندہ آنے والے شرکاء کا ذکر موجود نہیں ہے اور نہ ہی ان کو احتیاطی کا نفع دینا کوئی مقصد بنتا ہے، اس لئے اگر چوتھے مقصد کے طور پر آئندہ آنے والے شرکاء کا نام شامل کر بھی دیا جائے تب بھی ان کو یہ نفع نہیں ملنا چاہئے اور یہ نفع مذکورہ بالا تین مقاصد ہی تک محدود رہنا چاہئے۔اور کیونکہ بینک میں ہر وقت بہت سے شرکاء بمع اپنے احتیاطی کے نفع کے موجود رہتے ہیں اس لئے نکلنے والے کچھ شرکاء کو ان کا نفع دینے سے بینک کی ساکھ متاثر ہونے کا بھی خطرہ نہیں ہے۔باقی رہی یہ دلیل کہ موجودہ شرکاء اس بات پر راضی ہوتے ہیں کہ ہم اپنے نفع میں سے اتنا حصہ آئندہ شرکاء کے لئے رکھ رہے ہیں اور بینک کے انتظام میں بھی یہ بات لکھی ہوتی ہے تو یہ دونوں دلائل بھی محل نظر ہیں۔راقم کے خیال میں ہمیں اس طرح کے معاملات میں مقاصد شریعت کو لازماً مدنظر رکھنا چاہئے۔یہاں تک تو بات ٹھیک ہے کسی عقد کے جواز کے لئے تمام شرائط اور تفصیلات کا علم ہونا ضروری

نہیں ہے بلکہ اگر کسی کو اطمینان ہو کہ شرائط شریعت کے مطابق ہوں گی تو اتنا بھی کافی ہے۔ چنانچہ بینکوں کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے عقود مثلاً ہسپتال میں مریض کے داخلے کا معاہدہ، موبائل فون کی سم خریدتے وقت کرنا اور ان جیسے دوسرے بہت سے معاملات کو اسی اعتماد کی بنا پر جائز کہا جاتا ہے۔(۳) اور اگر کلائنٹ اعتماد کرتے ہوئے کسی معاہدے پر دستخط کردے تو وہ ذمہ دار نہیں ہوگا، لیکن کیا بینک یا کوئی بھی ادارہ کسی ایسی شرط کو درج کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوگا جو خلاف شریعت ہو؟ یقیناً وہ اس بات کا ذمہ دار ہوگا۔ بعض جگہیں ایسی ہیں کہ وہاں پر ہم صرف کلائنٹ کی رضامندی پر کسی شرط کا جواز نہیں ڈال سکتے بلکہ ہمیں خود بھی دیکھنا ہوگا کہ وہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف تو نہیں ہے یا پھر اس سے کلائنٹ کے حقوق تو متاثر نہیں ہو رہے؟ بہت دفعہ کلائنٹ کوئی راستہ نہ پا کر بھی ایسے معاہدے پر دستخط کر دیتا ہے کیوں کہ اس کے پاس کوئی متبادل نہیں ہوتا۔ اگر اسلامی بینک ہی میں اس سے یہ پوچھ لیا جائے کہ آپ رخصت ہوتے وقت اپنا احتیاطی میں رکھا ہوا نفع لینا پسند کریں گے یا نہیں تو کلائنٹ کا جواب یقیناً اثبات میں ہوگا۔ کئی دفعہ تو کلائنٹ کو اس طرح کی شرائط کا علم ہی نہیں ہوتا۔ یہاں پر بھی کچھ اسی طرح کا معاملہ ہے کہ جب شراکت بینک اور اس کے کلائنٹ کے درمیان ہوئی ہے تو حاصل ہونے والا نفع بھی صرف ان دونوں کے درمیان ہی تقسیم ہونا چاہیے اور اس نفع کا فائدہ بھی اس شراکت تک ہی محدود رہنا چاہیے، نہ کہ اس نفع کا دائرہ آئندہ آنے والے شرکاء تک وسیع کر دیا جائے اور اصل شریک کو اس نفع سے محروم کر دیا جائے۔ ہر قسم کی شرکت کی تمام شرائط بھی اسی بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نفع کی تقسیم اصل شرکاء کے مابین ہوگی، وہاں پر کسی اجنبی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

مثال: فرض کریں ایک شریک نے بینک کے ساتھ شرکت کی اور اِس سے اُس شریک کے حصے میں بارہ ہزار نفع آیا جس میں سے ایک ہزار احتیاطی میں رکھ دیا گیا جب کہ بقیہ گیارہ ہزار اُس شریک کو دے دیا گیا۔ اب اگر یہ شریک آئندہ کسی وقت بینک سے نکلتا ہے تو اُس کی رقم کے مقابلے میں جو اثاثے موجود ہیں وہ بینک کو فروخت کر کے نکل جائے گا جنہیں بینک اس وقت تک کا نفع قیمت میں شامل کر کے رب المال کو دے کر اس کا حصہ خرید لے گا۔(۴) لیکن کلائنٹ کی جو رقم احتیاطی میں رکھی ہوئی ہے وہ بھی کیونکہ پچھلے اثاثوں سے حاصل شدہ ہے یا موجودہ اثاثوں کی پچھلی مدت سے حاصل شدہ ہے اور کلائنٹ کا حق بن چکی ہے اس لئے وہ رقم بھی کلائنٹ ہی کو ملنی چاہیے۔

## مشارکہ متناقصہ میں یونٹ کی قیمت کی گارنٹی

مشارکہ متناقصہ میں بینک کلائنٹ کو اپنے حصص وقتاً فوقتاً قیمت اسمیہ (Face Value) پر فروخت کرتا ہے، اس فروخت کی کیا حیثیت ہے اور یہ شرکت کی کون سی قسم کے تحت آتی ہے اس حوالے سے فقہاء کرام میں اختلاف موجود ہے۔ جو فقہاء کرام مشارکہ متناقصہ کو مطلقاً شرکت عقد مانتے ہیں ان کے نزدیک تو قیمت اسمیہ پر بیچنے کی شرط لگانا کسی صورت میں بھی جائز نہیں

ہے۔ کیوں کہ اُس وقت یہ مطلب سمجھا جائے گا گویا کہ ایک شریک اپنے حصے کو محفوظ کر رہا ہے کہ خواہ اس کی قیمت بازار میں کم ہی کیوں نہ ہو جائے تب بھی آپ مجھے کم از کم وہ قیمت ادا کریں گے جس پر میں نے یہ حصہ خریدا ہے۔

چنانچہ حافظ ذوالفقار علی صاحب فرماتے ہیں کہ شرکت کی اس جدید قسم کو المعاییر الشرعیہ میں شرکت العنان کی ذیلی شاخ قرار دیا گیا ہے اور اس پر شرکۃ العنان کے احکامات نافذ ہوں گے۔ علامہ وہبہ زحیلی نے بھی اسے شرکۃ العنان ہی قرار دیا ہے۔ شرکت کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں: ا۔ شرکۃ الاملاک ۲۔ شرکۃ العقود۔ شرکۃ الاملاک کسی چیز کے استحقاق میں شراکت کا نام ہے جیسے کسی کارخانے یا گاڑی وغیرہ کی ملکیت میں اشتراک۔ اور اگر کسی چیز کے تصرف میں اشتراک ہو تو اسے شرکۃ العقود کہتے ہیں جیسے خرید وفروخت میں اشتراک، اور یہ اشتراک مال اور عمل یا صرف عمل میں ہوتا ہے۔ اگر دونوں میں اشتراک ہو تو یہ شرکۃ العنان کہلائے گی۔ شرکۃ العنان کی مختلف تعریفات سے یہ بات واضح طور پر ثابت ہوتی ہے کہ شرکۃ العنان میں فریقین کا مقصد چیز کو فروخت کر کے نفع کمانا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے شرکۃ العنان کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ نفع میں فریقین میں سے ہر ایک کا حصہ طے ہو۔ لیکن اگر بینکوں میں رائج مشارکہ کو دیکھیں تو اس میں یہ چیز نظر نہیں آتی۔ کیونکہ نہ تو یہاں نفع کا تناسب طے ہوتا ہے اور نہ ہی کلائنٹ کا مقصد اس چیز کو فروخت کر کے نفع کمانا ہوتا ہے، بلکہ وہ تو اپنی رہائش کے لئے یہ معاملہ کرتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ مشارکہ متناقصہ شرکۃ العنان میں داخل نہیں ہے۔

## مشارکہ متناقصہ میں بینک کے حصص (Units) کی قیمت

اب یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ بینک اپنے حصے کے یونٹ کلائنٹ کو کس قیمت پر فروخت کرے گا؟ اس کی چار ممکنہ صورتیں ہیں:

ا۔ بینک نے جتنی رقم لگائی ہے اس سے زیادہ میں بیچے۔

۲۔ اتنی ہی رقم میں بیچے۔

۳۔ اس سے کم پر بیچے۔

۴۔ بازاری قیمت پر بیچے۔

حافظ ذوالفقار علی صاحب فرماتے ہیں کہ تیسری صورت تو ممکن نہیں ہے کیونکہ بینک اس پر راضی نہیں ہوگا۔ جبکہ باقی تین صورتیں ناجائز ہیں۔ پہلی صورت اس لئے ناجائز ہے کیونکہ اس میں بینک نے گویا کہ ضمانت لے لی ہے کہ اس کا رأس المال بمع نفع اسے مل جائے گا حالانکہ یہ شراکت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ شرکت کی تو بنیاد ہی یہ ہے کہ نفع اور نقصان میں دونوں شریک ہوں۔ گویا کہ یہ سود کے حصول کا ایک حیلہ ہو جائے گا۔ جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے یعنی اتنے ہی کا بیچنا تو اس کو بھی

اسلامی بینکاری کے ماہرین ناجائز قرار دیتے ہیں چنانچہ المعاییر الشرعیۃ میں قیمت اسمیہ پر بیع کی شرط لگانے کو اور قیمت اسمیہ پر خریدنے کے وعدہ کرنے کو ناجائز کہا گیا ہے۔ چنانچہ المعاییر الشرعیۃ میں ہے:

''ولایجوز اشتراط البیع بالقیمة الاسمیة''(۵)

''اور قیمت اسمیہ پر بیچنے کی شرط لگانا جائز نہیں ہے۔''

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گویا بینک نے یہ گارنٹی حاصل کر لی ہے کہ اس کا مال بہرصورت واپس کیا جائے گا۔ جب کہ چوتھی صورت یعنی بازاری قیمت پر بیچنا اس لئے جائز نہیں کیونکہ اس میں غرر پایا جاتا ہے کیونکہ کلائنٹ کی طرف سے کیا گیا وعدہ تو لازمی ہوتا ہے اور اس سے انحراف نہیں کر سکتا اور بیع میں وعدہ کرنا دراصل بیع ہی کی ایک شکل ہے۔ جب بیع اس شرط پر کی جائے کہ مستقبل میں بازاری قیمت پر اثاثہ خریدلوں گا تو اس میں غرر پایا جا رہا ہے جو بالکل واضح ہے۔ بینک اپنے حصے کو دراصل قیمت اسمیہ پر بیچتا ہے کیونکہ وہ اسے شرکۃ العقد نہیں بلکہ شرکۃ الملک سمجھتا ہے اور شرکۃ الملک میں قیمت اسمیہ پر فروخت کرنے کا معاہدہ بینک کے نزدیک جائز ہے۔ لیکن بینک کا ایسا سمجھنا دو وجہ سے درست نہیں ہے:

۱۔ ڈاکٹر رفیق یونس مصری کے بقول مشارکہ متناقصہ میں بینک کی غرض شراکت داری نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے پیش نظر بیع اور اجارہ ہوتے ہیں بلکہ اصل مقصد تمویل ہوتا ہے۔ اور اس میں بیع اور اجارہ کو دراصل تمویل کے ذریعے فائدہ حاصل کرنے کے لئے گھسیٹا جاتا ہے۔

۲۔ شرکۃ الملک میں کوئی شریک کسی دوسرے شریک کو اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ اس کا حصہ ضرور خریدے۔ جب کہ یہاں پر شروع میں ہی یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ کلائنٹ بینک کا حصہ ضرور خریدے گا، اور یہ تب جائز ہو سکتا تھا کہ جب وعدہ لازمی نہ ہوتا اور بازاری قیمت پر فروخت ہوتی۔ لیکن شاذ و نادر ہی کوئی بینک یہ تمام شرطیں پوری کرتا ہوگا۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بظاہر مشارکہ اور حقیقت میں بینکنگ فنانسنگ ہے۔(۶)

ڈاکٹر رفیق یونس مصری تحریر فرماتے ہیں اس میں تو کوئی شک نہیں ہے کہ اگر دو افراد کسی زمین کی ملکیت میں شامل ہوں اور بعد میں کوئی شریک دوسرے کو اپنا حصہ قسطوں میں فروخت کر دے اور بیچنے کے وقت اس کی قیمت لگائے تو یہ جائز ہے۔ اسی طرح اگر زمین کسی ایک کی ملکیت میں تھی تو بھی جائز ہے اگرچہ بیع کا وعدہ بھی کیا گیا ہو لیکن یہ وعدہ غیر ملزمہ ہو۔ اسی طرح اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک، دوسرے کو اپنا حصہ کرائے پر دے دے اور وقتاً فوقتاً اس کا کچھ حصہ کرائے دار کو فروخت کرتا رہے اور ہر دفعہ بیچے جانے والے حصے کی اجرت بھی طے کی جاتی رہے تو بھی جائز ہے، اگرچہ یہاں پر بھی اجارہ اور بیع کا وعدہ ہی کیوں نہ کیا گیا ہو، لیکن یہ وعدہ غیر ملزمہ ہونا چاہئے۔

لیکن اگر یہ دونوں افراد جو زمین کی ملکیت میں شریک ہیں، شرکت کے وقت ہی اس بات پر اتفاق کر لیں کہ ان میں

سے ایک مخصوص اقساط کی ادائیگی کرتا رہے گا اور بعد میں زمین کا مکمل طور پر مالک بن جائے گا، خواہ اس مدت کے دوران اس نے اپنے شریک کا حصہ کرائے پر لئے رکھا ہو یا نہیں تو میرے خیال میں یہ ناجائز ہے۔اسی طرح اگر وہ شرکت عقار میں داخل ہونے سے پہلے ہی اس بات پر متفق ہو جائیں کہ ایک شریک دوسرے کو اپنا حصہ قسطوں پر فروخت کرے گا تو یہ بھی ناجائز ہے۔اور یہ قسطوں پر فروخت کی وجہ سے ناجائز نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے ناجائز ہے کہ اس نے شرکت ہی اس وجہ سے کی ہے تا کہ اپنے شریک کو وہ زمین فروخت کر سکے۔معلوم ہوا کہ اصل مقصد شرکت یا بیع یا اجارہ نہیں ہے بلکہ اصل مقصد تمویل ہے اور بیع واجارہ کو اس تمویل میں داخل کرنے کا مقصد اس تمویل پر نفع حاصل کرنا ہے۔اور اس بات کی یوں بھی تائید ہوتی ہے کہ بیع اور اجارہ کی اقساط شرکت کے شروع میں ہی طے کر لی جاتی ہیں تا کہ مدت کے اختتام پر اس زمین کی مکمل ملکیت ہبہ کی صورت میں یا علامتی قیمت کے ذریعے کلائنٹ کو منتقل کی جا سکے۔☆ یہ مشارکہ متناقصہ اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے جب وعدہ غیر ملزمہ ہو اور یونٹ کی بازاری قیمت لگائی جائے اور ہر قسط کے ساتھ تدریجی طور پر بینک کی ملکیت بھی کم ہوتی جائے، لیکن اسلامی بینکوں میں سے بہت کم ایسا کرتے ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ ظاہری طور پر تو مشارکہ ہے لیکن حقیقت میں تمویل ہے۔(۷)

## شرکت متناقصہ میں کرائے اور حصے کا تعین

ڈاکٹر نزیہ کمال حماد تحریر فرماتے ہیں کہ بعض بینک شرکت متناقصہ کے عقد کے شروع میں ہی کرائے کی اقساط اور بینک کے مستقبل میں بیچے جانے والے حصوں کی قیمت بھی طے کر لیتے ہیں۔جب کہ بعض بینک ہر سال بینک کے حصے کی قیمت کا تعین کرتے ہیں اور اسی بنیاد پر کرائے کی اقساط کا تعین کرتے ہیں۔اور یہ بینک ایسا شاید اس لئے کرتے ہیں کہ بیوع مضاف الیٰ المستقبل جائز نہیں ہیں۔لیکن یہ دوسری صورت عملی طور پر کامیاب نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بعد میں قیمتیں کم بھی ہوسکتی ہیں اور زیادہ بھی، اگر قیمتیں زیادہ ہو جائیں تو بعض دفعہ بینک کا کلائنٹ اچھی خاصی رقم ادا کرنے کے بعد بھی اس قابل نہیں ہوتا کہ وہ اصل کا مالک بن جائے۔کیونکہ بینک کے حصے کی قیمت بازار میں بڑھتی رہتی ہے،(خاص طور پر پاکستان میں کہ جہاں افراط زر میں اور پھر اس کے نتیجے میں اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔راقم) اسی طرح بعض دفعہ بینک بھی خسارہ برداشت کرتا ہے کیونکہ بازار میں اس چیز کی قیمت گر چکی ہوتی ہے۔اس مسئلے کو حل کرنے کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: بینک اور اس کا کلائنٹ رأس المال میں اپنے اپنے حصے کی تعیین پر اور اس حوالے سے شرائط پر متفق ہو جائیں اور بینک کے حصے کی بیع اس کے کلائنٹ کو مشارکہ کے بعد ایک مستقل عقد کے ذریعے ہو، یعنی بینک اور کلائنٹ کو مشارکہ کے بعد یہ اختیار ہو کہ وہ اپنا حصہ ایک دوسرے کو فروخت کر دیں یا کسی تیسرے فریق کو۔

دوسری صورت: بینک اور اس کے شریک دونوں کے شرکت میں حصص متعین کر دیئے جائیں اور پھر شریک جب چاہے

بینک سے اس کا حصہ خرید تا جائے حتیٰ کہ آخر میں وہ خود تمام جائداد کا اکیلا مالک بن جائے۔اب یہاں پر شرکت ملک پائی جارہی ہے لیکن یہاں پر اس شرکت کی بقاء مقصود نہیں ہے۔اسی وجہ سے بینک اپنے شریک کو حصص خریدنے کی اجازت دیتا ہے۔اور اس شرکت میں ایک مربوط نظام کے تحت بعض اجزاء کا بعض کے ساتھ ربط بھی ہے تاکہ ان کے ذریعے کلائنٹ کو حصص فروخت کئے جا سکیں۔اسی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ محض خریدنے میں یا عین چیز کے اجارہ میں یا ایک شریک کے دوسرے کو حصہ فروخت میں شرکت نہیں ہے بلکہ ان سب چیزوں سے مرکب ہے اور ان کو ایک دوسرے سے جدا بھی نہیں کیا جا سکتا۔اب پے در پے ہونے والے ان عقود کے تحت اگر مشارکہ کو دیکھا جائے تو درج ذیل صورتیں سامنے آئیں گی:

(ا) جائیداد وغیر کے خریدنے میں شرکت۔(ب) طرفین باہمی وعدہ کریں۔پہلے: اس بات پر کہ جو چیز خریدی ہے وہ کسی تیسرے فریق کو اجارہ پر دیں گے اور اپنے اپنے حصے کے بقدر اجرت کے مستحق ہوں گے۔یا پھر اس بات پر کہ بینک اپنے کلائنٹ کو اپنا حصہ اجرت پر دے گا۔دوسرے: اس بات پر کہ کسی بھی طے شدہ جدول کے مطابق بینک کا حصہ کلائنٹ خرید تا جائے گا اس طرح بینک کا حصہ کم ہوتا چلا جائے گا اور آخر میں کلائنٹ تمام جائداد وغیرہ کا مالک بن جائے گا۔(ج) بینک اور کلائنٹ کسی تیسرے فریق کو مستقل عقد اجارہ کے ذریعے کرائے پر دیں اور اجرت کو اپنے اپنے حصوں کے مطابق تقسیم کر لیں۔یا بینک اپنا حصہ علیحدہ عقدِ اجارہ کے ذریعے کلائنٹ کو کرائے پر دے۔(د) بینک کے حصص کے لئے بینک اور کلائنٹ کے درمیان پے در پے عقود کئے جائیں، اور ان کی مدتیں بھی طے ہو جائیں جن کے مطابق بینک کے تمام حصے کلائنٹ کی طرف منتقل ہو جائیں۔یہ عقود ابتداء، نفاذ اور مدتوں غرض ہر لحاظ سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہوں گے۔اور ان عقود کے نتیجے میں درج ذیل خرابیاں لازم نہ آئیں:

۱۔ ان کا جمع کرنا کسی نص شرعی کے خلاف نہ ہو۔

۲۔ ان کو جمع کرنے سے کسی مشروع سے محظور کی طرف جانا لازم نہ آئے۔

۳۔ جمع کئے جانے والے عقود وضع یا حکم میں ایک دوسرے کے متضاد اور متناقض نہ ہوں، کیونکہ بعض دفعہ احکام میں اجتماعی طور پر ایسی تاثیر آجاتی ہے جو انفرادی طور پر نہیں آتی۔

## اجرت کی تعیین میں دوطرفہ وعدہ

جب بینک اپنا حصہ کلائنٹ کو دے تو اجرت متعین کرنے میں دوطرفہ وعدہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے (اور یہ وعدہ ملزمہ ہے)، کیونکہ مخصوص بدل کے عوض کوئی چیز اجرت پر دینے کا وعدہ دراصل اجارہ مضاف الی المستقبل ہے، اگرچہ اس میں وعدے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔اور اجارہ مضاف الی المستقبل جمہور فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔جیسے وعدے کو لازم کرنا اہل علم کی ایک

جماعت کا مذہب ہے جن میں امام سبکی شافعی، شیخ تقی الدین بن تیمیہ، ابن شبرمہ، مالکیہ کا بھی یہ ایک قول ہے، اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اس کو اختیار فرمایا ہے۔ شرکت متناقصہ سے پہلے پے در پے عقود کے لئے جو مفاہمت کی جائے گی وہ مشارکہ متناقصہ کا جزو سمجھی جائے گی۔ اسی طرح جو وعدے طرفین نے کئے ہیں وہ بھی لازم ہوں گے کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جائے تو مشارکہ متناقصہ کا مقصد ہی مشکوک اور غیر مؤکد ہو جائے گا۔

بعض لوگوں نے جو مشارکہ متناقصہ کو شرکت عقد سمجھا ہے اور اسے شرکت عنان میں داخل کر دیا ہے تو دراصل انہوں نے غلطی کی ہے۔ اور اسی بنیاد پر انہوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ مشارکہ متناقصہ میں نفع کی تقسیم آپس میں جس نسبت پر بھی اتفاق ہو جائے اس کے مطابق ہوگی نہ کہ اموال کے تناسب سے، اور نقصان ہر ایک کے حصے کے تناسب سے برداشت کیا جائے گا۔ اگر ہم ان عقود کو دیکھیں جو ایک ہی صفقہ کے تحت آ رہے ہیں تو نہ تو ہمیں ان میں نص شرعی کے خلاف کوئی بات نظر آتی ہے اور نہ ہی ان میں حکم اور وضع کے لحاظ سے کوئی تناقض نظر آتا ہے اور نہ ہی ان کو جمع کرنے میں کسی مشروع سے محظور کی طرف جانا لازم آتا ہے بشرطیکہ اس میں مندرجہ ذیل خرابیاں نہ پائی جائیں:

۱۔ یہ مفاہمت یا دوطرفہ وعدہ جو پے در پے عقود کے لئے پہلے کیا گیا ہے اس سے جو یونٹ بینک اپنے کلائنٹ کو فروخت کرے گا ان کی قیمت کو مخصوص کرنا لازم نہ آئے، اس لئے کہ اگر ایسا کیا گیا تو دراصل یہ دوطرفہ وعدہ نہ رہے گا بلکہ بیع مضاف الی المستقبل بن جائے گی جو جمہور اہل علم کے نزدیک ناجائز ہے۔ کیونکہ عقود میں حقائق اور مقاصد کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ الفاظ اور ظاہر کا۔ اسی طرح اعمال کا دارومدار بھی نیتوں پر ہوتا ہے۔ چنانچہ اس مفاہمت اور مواعدہ میں یہ ضروری ہے کہ وہ ہر عقد کے وقت ثمن مثل یا بازاری قیمت پر ہو۔ اس لئے کہ اگر بیچے جانے والے یونٹ کی قیمت موجودہ قیمت کے مطابق یا پھر اس سے زیادہ طے کر لی گئی تو اس سے کلائنٹ کا بینک کے شرکت کے رأس المال کا ضامن بننا لازم آئے گا جو ناجائز ہے۔ اسی طرح ایسے عقود کا اجتماع بھی لازم نہ آئے کہ جن کی وجہ سے کسی سودی قرض کا ارتکاب کرنا پڑے، اگرچہ وہ اپنی انفرادی حیثیت میں جائز عقود تھے۔

۲۔ جو عقود اور التزامات اس مفاہمت کے نتیجے میں کئے جائیں گے وہ پے در پے اور ایک دوسرے کے بعد ہونے چاہئیں، اس لئے کہ اگر یہ عقود ایک ہی مرتبہ کر لئے گئے تو اس سے بہت سے شرعی محظورات کا ارتکاب لازم آئے گا مثلاً بیع **مضاف الی المستقبل**، غیر مملوکہ اشیاء کو اجارہ پر دینا یا بیچ دینا اور ثمن مجہول کے ساتھ بیع وغیرہ۔

۳۔ بینک اور کلائنٹ اپنے اپنے حصص کے مطابق خسارہ بھی برداشت کریں گے تاکہ مشارکہ متناقصہ سودی قرض حاصل کرنے کا ایک بہانہ نہ بن جائے۔(۸)

## شرکت کے ساتھ مختلف عقود کا اجتماع

ڈاکٹر نزیہ کمال حماد فرماتے ہیں کہ دورِ حاضر میں مختلف عقود کو ایک ہی عقد میں جمع کے ذریعے یا تقابل کے ذریعے سر انجام دیا جاتا ہے، جیسے شرکت، اجارہ، مضاربت، ہبہ، قرض، بیع وغیرہ۔اوران تمام عقود کی وجہ سے جو التزامات اور ذمہ داریاں مرتب ہوتی ہیں ان کا بھی اعتبار کیا جاتا ہے اور انہیں ایک مشترکہ عقد سے جدا بھی نہیں کیا جاتا۔عقود کو جمع کرنے کی مثال جیسے کسی کو کہا: ''میں تمہیں یہ گاڑی بیچتا ہوں اور یہ گھر ایک سال کے لئے ایک ہزار روپے کے عوض میں کرائے پر دیتا ہو''۔اور عقود متقابلہ کی مثال جیسے کسی کو کہا: ''میں تمہیں اپنی یہ گاڑی اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم مجھ سے فلاں سامان پانچ سو روپے میں خریدو، یا اس شرط پر کہ تم مجھے اتنا قرض دو، یا اس شرط پر کہ تم میرے ساتھ فلاں کام میں شرکت کرو''۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کئی عقود کو ایک عقد میں جمع کیا جاسکتا ہے؟اس حوالے سے جمہور اہل علم کا یہ مؤقف ہے کہ اگر اُن عقود کے اجتماع میں کوئی شرعی مانع نہ ہو تو انہیں جمع کیا جاسکتا ہے، کیونکہ اگر نصوص شرعیہ کا جائزہ لیا جائے تو اُن سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ باہمی تعاقد میں آزادی ہو اور جس چیز پر عاقدین راضی ہو جائیں اس کو پورا کیا جائے اور اس کا التزام کیا جائے۔اور ہر وہ عقد جو کئی عقود یا کئی ایسے امور پر مشتمل ہو جو انفرادی طور پر جائز ہیں تو مجموعے کو آحاد پر قیاس کرتے ہوئے اجتماعی طور پر بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔جب تک کوئی نص یا قیاس صحیح اس کے خلاف نہ آجائے، اگر ایسا ہو تو پھر اس قسم کے اجتماع سے بچا جائے گا۔اور اس استثناء کی بنیاد جیسا کہ امام شاطبی نے فرمایا ہے کہ احکام میں اجتماع کی ایسی تاثیر ہوتی ہے جو انفرادی حالت میں نہیں ہوتی۔چنانچہ آپ ﷺ نے بیع اور ادھار کو اکٹھا کرنے سے منع فرمایا ہے حالانکہ اگر یہ انفرادی سطح پر سرانجام دئے جاتے تو جائز ہوتے۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک نکاح میں جمع بین الاختین سے منع فرمایا ہے، حالانکہ انفرادی طور پر ان سے نکاح کرنا جائز تھا۔اسی طرح آپ ﷺ نے کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے۔ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ بعض حالات میں اجتماعی سطح پر جو حکم ہوتا ہے وہ انفرادی سطح پر دئے گئے حکم سے مختلف ہوتا ہے۔اسی بنیاد پر فقہاءِ کرام نے اُن استثنائی شرعی نصوص پر غور فرمایا کہ جنہیں ایک ہی معاہدے کے تحت جمع کرنے سے منع کیا گیا ہے اور ان سے مختلف ضابطوں کا استنباط کیا ہے۔ان میں سے بعض ضابطے متفق علیہ ہیں جب کہ بعض میں اختلاف ہے۔ان ضابطوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

**پہلی قسم**: جن کو نص شرعی کے ذریعے جمع کرنے سے منع کر دیا گیا ہو جیسے آپ ﷺ کا بیع اور ادھار کو جمع کرنے سے منع کرنا (بیع وسلف)، ایک بیع میں دو بیوع سے منع کرنا (**بيعتين في بيعته**)، ایک سودے میں دو سودوں سے منع کرنا (**صفقتين في صفقة**)۔

**دوسری قسم**: جن کو جمع کرنے سے مشروع چیز سے غیر مشروع چیز کی طرف جانا لازم آئے، اگرچہ ان میں سے ہر ایک

انفرادی طور پر جائز تھا لیکن ان کو جمع کرنے سے ایک ایسا زائد معنی پیدا ہو گیا کہ جس کی وجہ سے شرعی نہی لازم آئی مثلاً بیع عینہ ؛قرض اور بیع کو جمع کرنا؛ قرض اور سلم کو جمع کرنا؛ قرض اور بیع صرف کو جمع کرنا؛ قرض اور اجارہ کو جمع کرنا کیونکہ یہ سب قرض کے ساتھ بیوع ہیں۔

**تیسری قسم:** جس میں دو یا دو سے زیادہ عقد وضعاً اور حکماً متضاد ہوں، اگر ایسا ہے تو ان کو جمع کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ عقود تو دراصل ایسے اسباب ہیں جو اپنے مسببات کو ان کے حکم، غایت، اور مقصود کی طرف مناسبت کے طریقے سے لے کر جاتے ہیں، لہٰذا ایک چیز ایک اعتبار سے دو متضاد اور متناقض چیزوں کے مناسب نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ایک ہی چیز کو بیچنا اور ہبہ کرنا؛ ایک ہی چیز کو ہبہ کرنا اور اجارہ پر دینا؛ یا درا ہم کی دنانیر کے ساتھ بیع صرف کرنا؛ اور دینار بیچنے والے کو وہ دینار قرض دینا؛ یا مضاربہ اور رأس المال مضارب کو بطور قرض دینے کو جمع کرنا۔

خلاصہ یہ کہ اگر عقود کو جمع کرنے میں کسی نص شرعی کی مخالفت لازم آئے یا کسی مبیح سے محظور کی طرف جانا لازم آئے تو ایسا کرنا ناجائز ہوگا جیسے ربا، غرر، جہالت فاحشہ وغیرہ۔(۹)

بعض فقہاء کرام مذکورہ بالا شرکت کو ایک صورت میں شرکت العقد اور دوسری صورت میں شرکت الملک کہتے ہیں اور دونوں صورتوں میں حکم کے لحاظ سے فرق کرتے ہیں۔ ان کے مطابق اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں پر دراصل دو صورتیں ہیں کہ پے در پے دو عقود ہوتے ہیں یا تین عقود ہوتے ہیں۔ پہلی صورت: ا۔ پہلے شرکت الملک ۲ پھر بیع۔ دوسری صورت: ا۔ پہلے شرکت الملک ۲۔ پھر اجارہ ۳۔ پھر بیع۔ اگر پہلی صورت ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ شرکت استر باح کے لئے ہو رہی ہے یعنی نفع حاصل کرنے کے لئے ہو رہی ہے لہٰذا یہ شرکت العقد کہلائے گی اور شرکت العقد میں بھی یہ شرکت العنان کے تحت آئے گی۔ اب یہاں پر اگر کلائنٹ قیمت اسمیہ پر لینے کا وعدہ کر رہا ہے تو جیسا کہ اوپر گذرا کہ یہی سمجھا جائے گا کہ وہ بینک کے رأس المال کا ضامن بن رہا ہے جو ناجائز ہے۔ کیونکہ جب بینک نفع کے لئے شرکت کر رہا ہے تو اسے نقصان بھی برداشت کرنا چاہئے۔ لیکن اگر دوسری صورت ہو اور درمیان میں اجارہ بھی داخل ہو جائے تو اب یہ شرکت العقد نہیں رہے گی بلکہ شرکت الملک ہو جائے گی کیونکہ یہاں مقصد استر باح نہیں ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ کلائنٹ اس چیز کا مالک بن جائے۔ اور شرکت الملک میں کیوں کہ دونوں شریک ایک دوسرے کے حق میں اجنبی کی حیثیت رکھتے ہیں (۱۰) اس لئے ایک شریک یہ شرط لگا سکتا ہے کہ میں اپنا حصہ قیمت اسمیہ پر ہی بیچوں گا، یا دوسرا شریک یہ وعدہ کر سکتا ہے کہ میں تمہارا حصہ قیمت اسمیہ پر خرید لوں گا اور ایسا کرنا اب درست ہو جائے گا۔ چنانچہ اسلامی بینک قیمت اسمیہ پر یعنی اصل قیمت پر ہی اپنا حصہ کلائنٹ کو فروخت کرنے کی شرط لگاتے ہیں اور نفع اجارہ کی مد میں حاصل کرتے ہیں۔ یہ مؤقف مولانا تقی عثمانی صاحب سمیت بعض فقہاء کرام کا ہے۔(۱۱)

رفقاء دارالافتاء والارشاد اس حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ مشارکہ متناقصہ میں تینوں کام یعنی شرکت ملک قائم کرنا، پھر

اجارہ اور پھر مختلف اوقات میں کئی بیوع کرنا یہ سب الگ الگ وقتوں میں کئے جانے والے مستقل عقود ہیں اوران میں سے کوئی عقد دوسرے پراس طرح معلق نہیں ہے کہ اگر ایک عقد نہ ہوتو دوسرا خود بخود کالعدم تصور کیا جائے۔لہٰذا غیر سودی بینکوں میں یہ معاملہ زیادہ قابل اشکال نہیں رہتا خاص طور پر جب:(ا)ان عقود میں سے پہلا یعنی شرکت الملک کا ایسا معاملہ ہے کہ اگر وہ بالفرض بیع و اجارہ وغیرہ کسی شرط فاسد سے مربوط بھی کر دیا جائے تب بھی بنص فقہاء شرکت فاسد نہیں ہوتی۔(ب) بینک اپنا جو حصہ عمیل کو کرائے پر دیتا ہے، جب تک اس حصے کی ملکیت ایک مستقل بیع کے ذریعے عمیل کی طرف منتقل نہ ہوتب تک وہ حصہ بینک کے ضمان اور رسک میں رہتا ہے اور اس دوران اگر اس حصے کو کوئی نقصان ہو جائے تو وہ بینک کا نقصان شمار ہوتا ہے، اس لئے کرایہ داری کا معاملہ ایک حقیقی معاملہ ہوتا ہے نہ کہ فرضی خانہ پری کہ جس کی آڑ میں بینک قرض پر سود وصول کر رہا ہو۔(ج) بینک اپنے حصے کی مشاع اکائیوں (یونٹس) میں سے جو اکائیاں وقتاً فوقتاً عمیل کو فروخت کرتا ہے ان میں سے ہر اکائی کی فروخت کے لئے مستقل عقد کیا جاتا ہے،اوران بیوعات کا زمانہ اگر چہ وہی ہوتا ہے جو باقی اکائیوں کی کرایہ داری کے عقد کا زمانہ ہوتا ہے لیکن ان دونوں طرح کے عقود کا محل الگ الگ ہوتا ہے۔جن اکائیوں کو کرائے پر دیا جاتا ہے ان کی بیع نہیں ہوئی ہوتی اور جن کی بیع ہو جاتی ہے ان کو کرایہ پر نہیں دیا جاتا، ہر عقد کے لئے علیحدہ علیحدہ شرائط ہوتی ہیں جو اسی عقد کے ساتھ خاص ہوتی ہیں اوران کا دوسرے عقد سے تعلق نہیں ہوتا۔

لیکن بظاہر اس طریقہ کار پر صفقۃ فی صفقۃ کا اعتراض ہوسکتا ہے، کیونکہ شرکت متناقصہ قائم کرنے کے لئے کئے جانے والے ان تینوں عقود سے پہلے بینک اور کسٹمر کے درمیان ایک جنرل ایگریمنٹ ہوتا ہے جس کی رو سے یہ تینوں عقود بظاہر ایک دوسرے سے مربوط اور مشروط نظر آتے ہیں۔لیکن حقیقت میں یہ اعتراض وعدے اور شرط میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔یہ ظاہری بات ہے کہ ایک عقد کے نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے عقد کا خود بخود کالعدم ہوجانا اور بات ہے جب کہ عقد سے علیحدہ ایک وعدہ ملزم کرنا کہ جس کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے گذشتہ عقد تو کالعدم نہ ہو البتہ موعود لہ کو عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے ایفاء وعد کا حق حاصل ہو ایک اور بات ہے۔چنانچہ عقد سے الگ ایسے وعدے کے جواز اور لزوم پر فقہاء کرام کی واضح تصریحات موجود ہیں۔لیکن یہاں پر بعض حضرات نے یہ اشکال کیا ہے کہ فقہاء کرام کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ابتداءً بیع کسی قسم کے پیشگی وعدے یا مواعدے کے بغیر ہوئی اور نہ ہی بیع کی بنیاد اس پر تھی کہ بائع جب ثمن رد کرے گا تو مشتری بھی مبیع کے رد کرنے پر مجبور ہوگا۔لہٰذا بیع کے مکمل ہونے کے بعد کسی جبر واکراہ کے بغیر متعاقدین اقالہ کا وعدہ کرتے ہیں پھر یہ وعدہ ان پر قضاءً لازم بھی ہوگا، خلاصہ یہ کہ وعدے کے بعد تو ان کو ایفاء عہد پر مجبور کیا جائے گا لیکن بیع کے مکمل ہونے کے بعد نفسِ وعد پر کسی کو جبر کا اختیار نہیں ہے، یعنی اس بات پر کوئی جبر نہیں ہوگا کہ دونوں اس بات کا وعدہ بھی کریں کہ اگر ایک ثمن کے رد کرنے پر قادر ہوتو دوسرا مبیع کے رد کرنے پر مجبور ہوگا۔جب کہ شرکت متناقصہ میں اجارہ کا عقد ہی اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ کلائنٹ پھر بینک سے یہ گھر خریدے گا، لہٰذا اگر

کلائنٹ استیجار کا وعدہ نہ کرے تو بینک اسے گھر بھی فروخت نہیں کرے گا، چنانچہ اس صورت میں کلائنٹ صرف ایفاء وعد پر مجبور نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خود اس وعد پر بھی مجبور ہے اور مشارکہ کے عقد کی بنیاد ہی اس عقد پر ہوتی ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ کلائنٹ ایفاء وعد کے ساتھ ساتھ وعد پر بالکل مجبور نہیں ہے بلکہ اس کو اختیار ہے کہ اگر چاہے تو بینک کے ساتھ معاملہ ہی نہ کرے، اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر بینک استیجار کے وعدے کے بغیر اس کے ساتھ بیع نہیں کرتا اور وعد کی لازمی شرط لگاتا ہے تو یہ شرط للعقد ہے نہ کہ شرط فی العقد، اور شرط للعقد جائز ہوتی ہے۔ اور جن فقہاء کرام نے بیع بالوفاء کے اندر ذکر کی ہوئی شرط کے باوجود اس بیع کو جائز قرار دیا ہے ان کے ہاں شاید اس کی گنجائش اس وجہ سے ہوگی کہ بیع بالوفاء میں جب بیع کو صحیح قرار دے دیا تو مبیع مشتری کے ضمان میں بہرحال داخل ہو جاتی ہے اور جب تک اقالہ نہیں ہوتا تب تک مشتری ایسی چیز سے انتفاع کرتا ہے جو اس کے ضمان میں داخل ہو چکی ہوتی ہے یعنی اس دوران مکان وغیرہ پر کوئی آفت آئے تو اس کا نقصان مشتری کو برداشت کرنا پڑے گا، لہٰذا مشتری کا اس سے انتفاع 'ربح مالم یضمن' نہیں بلکہ 'ربح مایضمن' ہے، لہٰذا اس پہلو کو مدنظر رکھ کر جواز کا فتوی دیا گیا۔ یہ قول اگرچہ جمہور کے خلاف ہے لیکن اس سے مندرجہ ذیل امور بہرحال ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ ایک عقد کو کسی دوسرے عقد کے ساتھ مشروط کرنے کی شرط کے مفسد ہونے کا مسئلہ فقہاء احناف کے ہاں ہر حال میں متفق علیہ نہیں ہے بلکہ بعض فقہاء کرام نے حاجت اور ضرورت کے پیش نظر بعض مواقع پر اس کی اجازت دی ہے جیسے بیع بالوفاء میں۔

۲۔ جمہور نے بیع بالوفاء میں صلبِ عقد میں لگی ہوئی اس شرط کو اس لئے مفسد قرار دیا کہ اس میں قرض پر مشروط نفع اٹھانے کی مشابہت ہے، اگر یہ مشابہت نہ ہو تو بہت سے فقہاء اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ اگر وعدہ بیع سے قبل ہوا اور اس کے بعد بیع اس وعدے سے بالکل الگ ہو یا وعدہ بیع کے بعد ہوا اور اس کا ایفاء بھی لازم ہو تو بھی وہ بیع جائز ہے۔

شرکت متناقصہ میں جب دو عقود کو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کیا جاتا ہے تو اس میں دو باتیں ہیں:

۱۔ اگر بیع کی شرط بالفرض اجارہ کے ساتھ صلبِ عقد میں ہوتی تو بھی محض 'صفقة فی صفقة' کی خرابی لازم آتی 'قرض جر نفعاً' یعنی رہن سے مشروط انتفاع کی وہ خرابی پھر بھی لازم نہ آتی جو بیع بالوفا میں لازم آتی ہے۔ لیکن بیع بالوفا میں تو صاحبِ نہایۃ اور علامہ زیلعی نے اس مذکورہ خرابی کے باوجود گنجائش کے پہلو کو ترجیح دی ہے، لہٰذا ان حضرات کے نزدیک بینکوں میں رائج شرکت متناقصہ کا معاملہ بطریق اولیٰ جائز ہوگا، کیونکہ اس میں تو قرض پر مشروط انتفاع کا کوئی پہلو موجود نہیں ہے کیونکہ بینک کسی تیسرے شخص کو رقم ادا کرنے کے بعد اس سے مثلاً مکان خرید کر کسی دوسرے شخص کو فروخت کرتا ہے، چنانچہ جسے رقم دی ہے اس سے تو کچھ بھی انتفاع نہیں کرتا۔

۲۔ شرکت متناقصہ میں بینک ایک عقد کو دوسرے عقد سے مشروط نہیں کرتا بلکہ ہر عقد کا الگ الگ وعدہ ہوتا ہے جس کا اثر

صرف اتنا ہوتا ہے کہ کلائنٹ کو ایفاء وعدہ پر مجبور کیا جاتا ہے، عقد کی صحت اس وعدے کے ایفاء پر موقوف نہیں ہوتی۔ اب اگر شرکت متناقصہ کی ضرورت متحقق ہو جائے تو اس کی گنجائش ان فقہاء کے قول پر بھی ثابت ہو جائے گی جو بیع بالوفاء میں صلبِ عقد میں ذکر کی گئی شرط کو تو اگرچہ مفسد قرار دیتے ہیں لیکن جب یہ شرط الگ تھلگ بطور وعدہ کے ذکر کی جائے تو اس کے جواز کے قائل ہیں۔ اوران فقہاء کے قول پر تو بطریق اولیٰ گنجائش ہوگی جو بیع بالوفاء میں صلبِ عقد میں ذکر کی گئی شرط کو بھی ضرورت اور حاجات ناس کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں۔ امداد الفتاوی میں حضرت حکیم الامت کا رجحان بھی اس کے جواز کی طرف ہے۔ (۱۲) اسی طرح حضرت حکیم الامت صفقۃ فی صفقۃ کی بعض صورتوں (جن پر تعامل قائم ہو) کے جواز پر فتویٰ دیتے ہیں، چنانچہ اس حوالے سے ان سے کیا گیا ایک سوال اور اس کا جواب درج ذیل ہے:

سوال: نہی عن صفقۃ فی صفقۃ کے ظاہری معنی کے لحاظ سے بعض امور ناجائز معلوم ہوتے ہیں حالانکہ بکثرت خاص و عام میں شائع ہیں مثلاً گھڑی کی مرمت کہ ٹوٹے ہوئے پرزے کو نکال کر صحیح پرزہ لگا دے گا تو اس پرزہ کی تو بیع ہے اور لگانے کا اجارہ۔ (۲) چارپائی بنوانا اور بان اپنے پاس سے نہ دینا اس میں بان کی بیع ہے اور بننے کا اجارہ، (۳) سقّہ سے پانی لینا کہ جب اس نے کنوئیں سے پانی نکال کر اپنے ظروف میں لیا تو اس کی ملک ہو گیا سو پانی کی بیع ہوئی اور وہاں سے لانے کا اجارہ نیز بیع مالیس عندہ بھی ہے، (۴) کوئی زیور یا انگوٹھی جڑنے کو دینا کہ نگینوں کی بیع ہے اور لگانے کا اجارہ وغیرہ ذالک من المعاملات الرائجۃ۔ الجواب: تعامل کی وجہ سے کہ بلانکیر شائع ہے جو ایک نوع کا اجماع ہے یہ سب معاملات جائز ہیں پس نص عام مخصوص البعض ہے جیسا فقہاء نے صباغی وخیاطی میں اس کی اجازت دی ہے کہ صبغ اور خیط صانع کا ہوتا ہے اور اس میں اجارہ بھی ہوتا ہے۔ وھذا ظاہر جداً۔ فقط واللہ اعلم۔ (۱۳)

## تجزیہ وترجیح

راقم کے خیال میں مشارکہ متناقصہ میں اگر اجارہ داخل نہ ہو تو ابتدائی طور پر بینک اور اس کے کلائنٹ کے درمیان جو شرکت قائم ہوتی ہے وہ شرکت العقد ہے چنانچہ اس میں بینک کے لئے پہلے سے ہی اپنے حصص کی قیمت فروخت متعین کر لینا جائز نہیں ہوگا کیوں کہ یہاں مقصد استرباح ہے اور اگر بینک نے ایسا کیا تو گویا کہ وہ اپنے شریک سے اپنے حصے کی حفاظت کی ضمانت لے رہا ہے جو ناجائز ہے۔ اور اگر مشارکہ متناقصہ میں اجارہ کو داخل کیا جائے تو وہ شرکت الملک ہے نہ کہ شرکت العقد اور اس کی وجہ وہی ہے جو مولانا تقی عثمانی صاحب اور حافظ ذوالفقار صاحب نے بیان کی ہے کہ یہاں مقصد استرباح اور نفع کمانا نہیں ہے بلکہ یہ مقصد ہے کہ کلائنٹ اس چیز کا مالک بن جائے۔ پھر اگر کلائنٹ کی طرف سے مشارکہ متناقصہ میں بینک کے حصص خریدنے کا وعدہ ملزمہ ہے یعنی اس کو قضاء پورا کرنا بھی ضروری ہے تب تو راقم کے خیال میں یہ حصص قیمت اسمیہ پر بیچنے چاہئیں نہ کہ بازاری قیمت

پر۔اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اگر بازاری قیمت پر یہ حصص بیچے گئے تو اس میں غرر (Uncertainty) پایا جائے گا جو کلائنٹ کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو بینک نے کلائنٹ کو وعدہ ملزمہ کے ذریعے اس بات کا پابند کر دیا کہ آپ نے اثاثہ لازمی خریدنا ہے اور دوسری طرف اسے بازاری قیمت کا پابند بھی کر دیا تو اب اگر قیمتیں بڑھ گئیں تو بینک کا کلائنٹ بعض اوقات اچھی خاصی اقساط ادا کرنے کے بعد بھی اس قابل نہیں ہوگا کہ وہ مکمل اثاثے کا مالک بن جائے۔البتہ اگر قیمتیں کم ہو جائیں تو اس میں بینک کو بھی نقصان کا خطرہ ہے،لیکن کلائنٹ کیوں کہ نقصان سے بچنے کے لئے وہ وسائل اور احتیاطیں نہیں رکھتا جو بینک کے پاس ہیں اس وجہ سے کلائنٹ کے متاثر ہونے کا زیادہ خطرہ ہے۔اور اگر کلائنٹ کی طرف سے وہ چیز خریدنے کا وعدہ غیر ملزمہ ہے تو اس صورت میں اثاثے کی فروخت بازاری قیمت اور قیمت اسمیہ دونوں پر ہوسکتی ہے۔بازاری قیمت پر اس وجہ سے ہوسکتی ہے کیوں کہ یہاں پر کلائنٹ کے لئے انکار کی گنجائش موجود ہے کہ وہ بینک کا حصہ نہ خریدے۔اور قیمت اسمیہ پر فروخت شرکت الملک پائے جانے کی وجہ سے ہوسکتی ہے۔بینک اور کلائنٹ پہلے یہ طے کر سکتے ہیں کہ وہ ان دونوں میں سے کس قیمت پر اثاثے کی خرید وفروخت کریں گے۔البتہ راقم کے خیال میں اگر وعدہ غیر ملزمہ ہو تو اثاثے کو بازاری قیمت پر بیچنا زیادہ بہتر ہے، اس صورت میں اگر اس اثاثے کی قیمت بڑھ گئی تو بینک کلائنٹ کو اپنی طرف سے قیمت میں کچھ چھوٹ بھی دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ 'المعروف کالمشروط' کے تحت نہ آجائے۔

اور مشارکہ متناقصہ پر یہ اعتراض کرنا بھی درست نہیں ہے کہ اس میں بینک کی غرض شراکت داری نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے پیش نظر بیع اور اجارہ ہوتے ہیں بلکہ اصل مقصد تمویل ہوتا ہے۔اور اس میں بیع اور اجارہ کو دراصل تمویل کے ذریعے فائدہ حاصل کرنے کے لئے لایا جاتا ہے،اور یہ اعتراض اس وجہ سے درست نہیں کیوں کہ بیع اور اجارہ کے الگ الگ مستقل اثرات ہوتے ہیں جو مشارکہ متناقصہ میں اپنے اپنے اوقات میں ظاہر ہوتے ہیں۔لہٰذا بینک اور کلائنٹ مشارکہ متناقصہ کے پورے عرصہ مثلاً بیس سال تک اپنے اپنے حصوں کا رسک بھی برداشت کرتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی نقصان ہو جائے تو وہ اس نقصان کو اپنی ملکیت کے تناسب سے خود برداشت کریں گے۔اسی طرح بینک صرف اپنے حصے کا کرایہ کلائنٹ سے وصول کر سکتا ہے نہ کہ ان حصص کا بھی جو وہ بیچ چکا ہے۔

## مضاربت میں عدم تعدی وتقصیر کا ثبوت

یہ متفقہ اور ثابت شدہ اصول ہے کہ مضاربت میں نقصان مالک پر ڈالا جاتا ہے مضارب پر نہیں،ہاں اگر مضارب سے کوئی تعدی یا تقصیر ہوئی ہے یا اس نے مال کی حفاظت میں کوئی کمی کی ہے تو اس صورت میں نقصان مضارب پر ڈالا جائے گا۔اور مالک پر نقصان ڈالنے کی وجہ یہ ہے کہ مال مضاربت رب المال کی ملکیت ہے اور مضارب کے ہاتھ میں جب تک وہ مال ہے اس

وقت تک مضارب کی حیثیت امین کی ہے اور امین امانت کا ضامن نہیں ہوتا الا یہ کہ وہ امانت میں کسی تعدی یا تقصیر کا مرتکب ہو۔اور ظاہر ہے کہ امین سے اگر کوئی تعدی نہ ہوئی ہو تو وہ رب المال کو اس بات کی وضاحت بھی پیش کرتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔(۱۴)

چنانچہ اسلامی بینک بھی مال مضاربت کے بارے میں کھاتے داروں کو جواب دہ ہیں کہ اگر مال مضاربت میں کوئی نقصان ہوا ہے تو اس میں بینک کے ملازمین کی غفلت تو شامل نہیں تھی؟ اگر بینک کی طرف سے غفلت پائی جائے تو اس صورت میں جو نقصان ہوا ہے وہ کھاتہ داروں پر نہیں ڈالنا چاہئے بلکہ بینک کو برداشت کرنا چاہئے۔ بظاہر اسلامی بینکوں کی طرف سے ایسا کوئی انتظام نہیں ہے کہ جس میں ہر کھاتہ دار کو یہ بتایا جاتا ہو کہ ہمیں فلاں فلاں مد میں نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے جن میں سے فلاں نقصانات میں ہماری طرف سے تعدی و تقصیر نہیں پائی گئی، جب کہ فلاں نقصانات میں ہمارے ملازمین کی تعدی کی وجہ سے اتنا نقصان ہوا جو بینک بطور مضارب خود برداشت کرے گا۔ایسا کرنے سے ایک فائدہ تو یہ حاصل ہوگا کہ کھاتہ داروں کا نفع اور نقصان برداشت کرنے کا مزاج بنے گا، کیونکہ اس وقت تک اسلامی بینک کھاتہ داروں کا یہ مزاج بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے کہ جس طرح آپ نفع میں شریک ہیں اسی طرح آپ کو نقصان بھی برداشت کرنا ہوگا۔اور یہ صورت مروجہ صورت حال سے یقیناً نہ صرف بہتر ہوگی بلکہ یہ شریعت کا تقاضا بھی ہے۔مروجہ صورت حال میں اسلامی بینک عام طور پر نقصان کی صورت میں اپنی طرف سے کلائنٹ کو رقم ہبہ کر دیتے ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بہتر ہوگا کہ اسلامی بینکوں نے اپنے کھاتہ داروں کو اس بات کی عادت ڈال دی ہے کہ وہ صرف نفع ہی حاصل کرتے رہیں۔پیش کردہ اصول پر اگر عمل کیا جائے تو اس سے نہ صرف یہ اشکال ختم ہو جائے گا کہ بینک ہماری رقوم کو کہاں لگا رہے ہیں بلکہ اسلامی بینکوں کے بارے میں شکوک وشبہات کی فضا ختم کرنے میں بھی مدد ملے گی اور لوگوں کا اسلامی بینکوں پر اعتماد میں اضافہ ہوگا۔اور آج جب ای میل اور مختلف جدید ذرائع سے ہی بینک اپنے کھاتہ داروں کو ان کی روداد (Statement) اور دیگر معلومات فراہم کرتے ہیں تو نفع نقصان کی تفصیل مہیا کرنا بھی ان کے لئے مشکل نہیں ہوگا۔

اگر تعدی کی وجہ سے صرف نفع میں کمی ہو جائے تو بھی نقصان مضارب پر ڈالا جائے گا؟ اس حوالے سے جو فقہی عبارات راقم کے مطالعے میں آئیں ان میں تو نفع کا لفظ نہیں مل سکا لیکن قیاس کا یہی تقاضا معلوم ہوتا ہے کہ اگر تعدی کی وجہ سے صرف نفع میں کمی ہو تو بھی اس کی ذمہ داری مضارب پر ہونی چاہئے۔اب یہاں تک تو نوبت نہیں آتی کہ مال مضاربت میں نقصان ہو، یعنی کسی مدت میں نفع بھی نہ آئے اور اصل مال میں نقصان کا سامنا بھی کرنا پڑے۔لیکن بہرحال نفع میں بھی تو یہ ہو سکتا ہے کہ بینک کی تعدی پائی جائے اور نفع کی مقدار کم ہو جائے اور کھاتہ دار کو اتنا ہی نفع دیتے ہیں جتنا وصول ہونا چاہئے۔بعض صورتوں میں اسلامی بینک نفع کی وصولی وغیرہ نہ ہونے کو بھی اپنی تعدی شمار کرتے ہوئے نفع میں ہونے والا نقصان خود برداشت کر لیتے ہیں تھا۔ یہاں پر بھی یہ بات قابل غور ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ بینک کی تعدی بنتی بھی نہ ہو اور وہ محض اس لئے اس کو تعدی شمار کرتا ہو تا کہ کھاتہ داروں کو پورا نفع دیا جائے جس کی وہ عادت بنا چکا ہے۔بہرحال اس حوالے سے اسلامی بینکوں اور مختلف نگران کمیٹیوں کو غور وفکر

کر کے مناسب لائحہ عمل بنالینا چاہئے۔ورنہ موجودہ صورت حال میں تو تعدی ہونے یا نہ ہونے کے حوالے سے گویا کھاتہ دار بینکوں ہی پراعتماد کررہے ہیں۔

ڈاکٹر علی القرۃ داغی فرماتے ہیں کہ فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مضارب یا شریک وکیل کے قائم مقام ہوتا ہے(۱۵)اس لئے اگر نقصان کی صورت میں وہ قسم کھالے کہ اس کی خیانت یا کوتاہی نہیں پائی گئی تو اس کی تصدیق کرنی چاہئے، لیکن اہم بات یہ ہے کہ کیا بغیر گواہوں کے ہی اس کی تصدیق کردی جائے گی؟ خواہ تہمت قوی ہو یا ضعیف ہو؟اس حوالے سے فقہاء کرام کی دوآراء ہیں۔پہلی رائے جوفقہاءاحناف اور حنابلہ کا مذہب ہے اس کے مطابق تو گواہوں کی ضرورت نہیں ہے بلکہ رب المال کے ذمے گواہ فراہم کرنا ہے۔(۱۶)

علامہ خالداتاسی شریک کی تصدیق کرنے کے بارے میں تحریرفرماتے ہیں:

**''وتفرع علیٰ کون المال فی ید کل منهما امانة انه یقبل قوله بیمینه فی مقدار الربح والخسران وضیاع المال کلا او بعضا ولو من غیر تجارة.''**(۱۷)

اور دونوں کے ہاتھ میں مال کے بطور امانت ہونے پر یہ مسئلہ متفرع ہوا کہ نفع ونقصان اور تمام یا بعض مال کے ضائع ہونے کے بارے میں، خواہ تجارت کے بغیر ایسا ہوا ہو، اس (شریک) کا قول اس کی قسم کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔

احناف کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر خیانت کا دعوی مبہم ہو تو قسم کی ضرورت بھی نہیں ہے۔اور دوسری رائے یہ ہے کہ تمام حالات میں مضارب یا شریک کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔چنانچہ مالکیہ کے نزدیک مضارب یا شریک کی اس کی قسم کے ساتھ تصدیق تو کی جائے گی لیکن اگر کوئی قرینہ اس کے جھوٹ پر پایا گیا تو وہ ضامن ہوگا جب تک عدم تعدی پر گواہ فراہم نہ کردے۔مثلاً رب المال نے اس سامان تجارت کے تاجروں سے پوچھا کہ تمہیں نقصان ہوا ہے اور انہوں نے کہا کہ نہیں ہوا۔فقہاء شافعیہ کا یہ کہنا ہے کہ اگر مال کی ہلاکت کا دعوی کیا اور اس کا کوئی ظاہری سبب بھی تھا تو گواہوں کے بغیر یہ دعوی قابل قبول نہیں ہوگا۔اگر گواہ فراہم کئے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر مان لیا جائے گا۔اور اگر سبب ظاہر نہیں تھا تو گواہوں کے بغیر صرف قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر مان لیا جائے گا، کیونکہ اب ہلاکت پر گواہ قائم کرنا دشوار ہے۔اب اگرچہ شریک نے اس پر خیانت کا دعوی کیا ہو تب بھی اسی کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اصل عدم خیانت ہی ہے۔ہمارے خیال میں مضارب یا شریک کا ہلاکت وعدم تعدی وتقصیر میں گواہوں کے بغیر قول معتبر نہیں ہونا چاہئے جب تک اس کے جھوٹ کا قرینہ موجود ہو، یا اس کا دعوی تاجروں کے عرف کے خلاف ہو۔لہٰذا آخری رائے زیادہ مناسب اور مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہے کیونکہ عصر حاضر میں باطل دعوں کی کثرت ہے اور بہت سے لوگوں کے ذمے فاسد ہوگئے اس لئے اس میدان کو بھی ایسے ہی نہیں چھوڑ دینا چاہئے اور گواہ قائم ہونے چاہئیں خاص طور پر جب تہمت قوی ہو۔(۱۸)

## بچت کھاتوں میں جمع شدہ رقوم کی حفاظت کی یقین دہانی

بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ اسلامی بینکوں کے بچت کھاتوں میں جمع شدہ رقوم کی حفاظت کی یقین دہانی کرانا وقت کا تقاضا ہے اور آج کل کے دور میں اسے ضرورت پر محمول کیا جائے گا۔ اسلامی بینکاری درمیانی طبقے کی بھی ضرورت ہے جو نہ صرف اپنی رقم کی بڑھوتری چاہتا ہے بلکہ یہ بھی چاہتا ہے کہ اس کی رقم محفوظ رہے اور افراطِ زر بھی اس پر اثر انداز نہ ہو۔ اسلامی بینک اپنے کھاتہ دار کو صرف دو اختیارات فراہم کرتا ہے:

۱۔ اگر کھاتہ دار اپنی رقم کی حفاظت چاہتا ہے تو اس کی رقم تو محفوظ رہے گی لیکن اس پر نفع نہیں ملے گا اور اگر ملا بھی تو تواتر سے نہیں ملے گا۔

۲۔ اور اگر کھاتہ دار اپنی جمع کرائی گئی رقم پر تواتر سے نفع چاہتا ہے تو اسے اپنی کچھ یا پوری رقم کے نقصان کا خطرہ بھی برداشت کرنا ہوگا۔

چنانچہ اگر بینکاری نظام یہی دو اختیارات دے گا تو کھاتہ داروں کی اکثریت اس کو قبول نہ کرتے ہوئے کسی اور طرف رجوع کرے گی مثلاً وہ سونے یا غیر ملکی کرنسی میں سرمایہ کاری کر سکتے ہیں جن کا تبادلہ بھی آسانی سے ہوسکتا ہے اور جو زیادہ پائیدار بھی ہیں۔ اور کوئی بھی مالی نظام گھریلوں بچتوں سے صرف نظر نہیں کرسکتا۔ ان ماہرین کا کہنا ہے کہ کھاتہ داروں کو نفع کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ ان کی رقوم کی ضمانت دینا 'ضرورت' میں داخل ہے اور بڑے پیمانے (Macro Level) پر اقتصادی ترقی کے لئے ضروری ہے۔ اسلامی بینک میں مضاربہ اکاؤنٹ میں کھاتہ دار کو جو دراصل رب المال ہوتا ہے، وہ معاشی مقام اور امتیازات حاصل نہیں ہوتے جو عام معیشت میں کسی اور رب المال کو یا خود بینک کو اُس مضارب پر حاصل ہوتے ہیں جس کا وہ شخص یا بینک رب المال بن رہا ہوتا ہے۔ جب کوئی کھاتہ دار کسی بینک میں رقم جمع کراتا ہے تو وہ صرف اُس معاشی نظام پر یا سوسائٹی کے اُس قانونی فریم ورک پر اعتماد کرتا ہے جس کے تحت بینک کام کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی قسم کی ضمانتیں نہیں ہوتیں جن کا کھاتہ دار دعویٰ کر سکے۔ جب کہ دوسرے سرمایہ کاروں کے معاملے میں ایسا نہیں ہوتا، وہ ضمانتیں بھی حاصل کر سکتے ہیں؛ اپنی رقم کے استعمال کی زیادہ قریب سے نگرانی کر سکتے ہیں؛ وہ اپنے وکیل اور آڈیٹرز بھی رکھ سکتے ہیں جو انتباہات (warnings) بھی بھیج سکتے ہیں اور رقم کے غلط استعمال کی صورت میں ضمانتوں کو بھی استعمال کر سکتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایک ایسے نظام کی ضرورت ہے جو اسی طرح کے تحفظات بینکوں کے کھاتہ داروں کو بھی فراہم کر سکے اور ان کی رقوم کی ضمانت بھی دے سکے۔

اگر کوئی شخصی طور پر فنڈز تلاش کرتا ہے تو اسے اس بات کا پابند کرنا غلط ہوگا کہ وہ رب المال کی رقم کی ضمانت بھی فراہم کرے اور اس پر نفع بھی دے کیونکہ یہ شخص اپنے کاروبار کو پیش آنے والے تمام خطرات کو ختم نہیں کرسکتا، جب کہ بینکوں کے ساتھ

یہ معاملہ نہیں ہوتا بلکہ وہ دوسرے ذرائع سے اپنے خطرات کو کم کر سکتے ہیں (کم از کم اصل رقم کے خطرے کو ضرور کم کر سکتے ہیں) لہٰذا اگر بینکوں کو یہ کہا جائے کہ وہ کھاتہ دار کی اصل رقم کی ضمانت دیں تو ایسا کرنا غلط نہیں ہوگا۔ مندرجہ بالا بحث سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوئے:

۱۔ اسلامی بینکاری نظام میں کھاتوں کی ضمانت دینا انفرادی اور معاشرتی سطح پر ایک ضرورت ہے، خاص طور پر انصاف کے نقطۂ نظر سے۔

۲۔ بینکوں میں موجود کھاتوں کو ضمانت کی ضرورت ہے لیکن نفع کی نہیں۔

۳۔ بینکاری نظام میں اصل سرمایہ کی ضمانت کی ضرورت کھاتہ داروں کے علاوہ سرمایہ کاروں کو نہیں ہے۔ اگر کھاتہ داروں کو ان کے رأس المال کی ضمانت نہ دی گئی تو مندرجہ ذیل قباحتیں پیدا ہوں گی: (الف) کھاتہ داروں کے مفادات متاثر ہوں گے (ب) بینکوں کے پاس رقم نہیں آئے گی اور غیر پیداواری مقاصد میں استعمال ہوتی رہے گی۔ لہٰذا شریعہ سکالرز کو دلائل کے ذریعے اس بات کی طرف لانا ضروری ہے کہ کھاتہ دار کے رأس المال کی بینک کی طرف سے ضمانت دی جائے۔ اگر شریعہ سکالرز تمام کھاتوں پر تمام حالات میں ضمانت کی اجازت نہیں دیتے تو کم از کم اضطرار کی بنیاد پر (ضرورت کے پس منظر میں) انہیں اس بات پر راضی کیا جائے کہ وہ مخصوص کھاتوں پر مخصوص حالات میں ضمانت دینے کو تسلیم کر لیں۔ معاشی ماہرین شریعہ سکالرز کی کسی خاص وقت میں یا کسی خاص کھاتہ دار کو انصاف کی فراہمی کے لئے اس طرح کی اضطراری حالت کو بیان کرنے میں مدد فراہم کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر رفیق یونس المصری تحریر فرماتے ہیں کہ بعض مسلم مؤلفین کھاتوں میں جمع شدہ رقوم کی حفاظت کی یقین دہانی کے قائل ہیں جن میں سے استاذ محمد باقر الصدر، ڈاکٹر سامی حسن حمود، اور ڈاکٹر جمال الدین عطیہ شامل ہیں۔ محمد باقر الصدر تو یہ کہتے ہیں کہ بینک دراصل عقد مضاربہ میں رب المال اور رقم کو استعمال کرنے والے کے درمیان واسطہ ہے، اس لحاظ سے وہ جہت ثالث ہوا اور جہت ثالث کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ صاحب مال کے لئے اپنے مال میں سے تبرع کر دے۔ لیکن اگر بینک خود عامل اور مضارب ہے تو پھر باقر الصدر کے نزدیک بھی تبرع کرنا جائز نہیں ہے۔ سامی حسن حمود یہ فرماتے ہیں کہ بینک بیک وقت کئی افراد کے لئے مضارب مشترک ہے، یعنی وہ کئی ارباب الاموال کے لئے ایک ہی وقت میں کام کر رہا ہے نہ کہ صرف ایک کے لئے۔ اس لحاظ سے بینک کو اجیر مشترک سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو بعض فقہاء مثلاً امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ان لوگوں کے اموال کا ضامن ہوتا ہے جنہوں نے یہ اموال اس کے سپرد کئے ہوتے ہیں۔☆

ڈاکٹر جمال الدین عطیہ کا یہ کہنا ہے کہ بعض اسلامی بینک ایسے ملکوں میں بھی کام کرتے ہیں جہاں کے قوانین کے مطابق کھاتوں پر نقصان نہیں ڈالا جا سکتا، اس لحاظ سے یہ ممکن ہے کہ ایسے کھاتے مشروط ہوں اور اس معنی میں مشروط ہوں جیسے

رواں کھاتے مضمون ہوتے ہیں۔لیکن اگر اسلامی بینک کو کسی مشروع چیز مثلاً مرابحہ میں سرمایہ کاری کا موقع ملے جس میں تمام شرائط بھی پائی جا رہی ہوں تو وہ اس میں سرمایہ کاری کر سکتا ہے اور یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ کھاتہ دار کا نفع ایک مخصوص حد سے کم نہیں ہوگا، اگر ایسا ہوا تو بینک اس کے مال کا ضامن ہوگا۔بعض افراد مثلاً ڈاکٹر محمد شوقی الفنجری کا یہ کہنا ہے کہ بینک کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ کھاتہ دار کو مخصوص نفع دے، کیونکہ بینکوں میں تو بہت سے لوگ اپنے اموال رکھواتے ہیں جن کو مختلف جگوں پر لگا کر نفع حاصل کیا جاتا ہے اور عام طور پر نفع خاص بھی ہوتا ہے تو گویا کہ یہ ایسی مضاربت ہوئی جس کا نفع پہلے ہی سے معلوم ہے۔ڈاکٹر رفیق یونس المصری فرماتے ہیں کہ اگر دقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ سب حیلے ہیں اور سودی قرض کے مساوی ہیں۔کیونکہ ربا میں بھی اصل مال کی ضمانت دے دی جاتی ہے اور اس پر مخصوص نفع کی ضمانت بھی دی جاتی ہے۔لہٰذا اگر کسی نے صرف رأس المال کی ضمانت دی تو اس نے سود کی طرف نصف مسافت طے کر لی، اور جس نے رأس المال کے ساتھ ساتھ نفع کی بھی ضمانت دے دی تو اس نے سودی راستہ مکمل طور پر اختیار کر لیا۔اب بعض بینک صرف اصل کی ضمانت دیتے ہیں جیسے بینک البرکۃ الاسلامی للاستثمار بحرین۔اور بعض بینک اصل، کم از کم نفع اور مخصوص نفع تینوں کی ضمانت دیتے ہیں مثلاً بینک البرکۃ الموریتانی الاسلامی، موریتانیا۔لیکن اکثر بینک ایسا نہیں کرتے کیونکہ اس میں یا تو سود ہے یا پھر سود سے مشابہت ہے۔(۱۹)

## بینک کا رضا کارانہ طور پر ضمان برداشت کرنا

اگر پہلے سے طرفین میں مضارب کے ضمان برداشت کرنے پر اتفاق نہ ہو بلکہ مضارب اپنے طور پر رب المال کو مطمئن کرنا چاہے تو اس بارے میں کیا حکم ہوگا؟ اس بارے میں ڈاکٹر علی القرۃ داغی فرماتے ہیں کہ اس مسئلے کی دو حالتیں ہیں:

پہلی حالت: مضارب اس رضا کارانہ شرط کو عقد میں داخل کر دے تو اس صورت میں ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عقد مضاربت میں ضمان کی شرط نہ لگائی جائے۔

دوسری حالت: مضارب عقد کے بعد یا نقصان کے بعد رضا کارانہ طور پر ضمان کی شرط اپنے اوپر عائد کرے اور اس شرط کو عقد کے ساتھ نہ جوڑے، اس کی بعض فقہاء مالکیہ نے ودیع اور کرائے دار کے تطوع پر قیاس کرتے ہوئے اجازت دی ہے کہ ان دونوں کے ہاتھ میں بھی جو چیز موجود ہوتی ہے جس طرح وہ عقد میں شرط کئے بغیر اس کے ضامن بن سکتے ہیں اسی طرح مضاربت میں بھی ایسا ہو سکتا ہے۔اور فقہاء مالکیہ کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اس شرط کے لازم ہونے کے بارے میں ہے، چنانچہ بعض فقہاء کا تو یہ کہنا ہے کہ جب اس نے خود اپنے اوپر ایک چیز کو لازم کر لیا تو وہ لازم ہو بھی جائے گی، جب کہ دوسرے بعض فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ یہ تبرع لازم نہیں ہوگا۔

لہٰذا اگر مضارب اور رب المال کے درمیان عقد پورا ہو گیا اور ان کے درمیان کوئی شرط نہیں پائی گئی، پھر خسارہ ہوا اور

مضارب نے رضا کارانہ طور پر رب المال کے رأس المال کا عوض فراہم کر دیا تو شرع طور پر اس سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔اور یہ ہبہ غیر مشروط کے قائم مقام ہوگا۔اسی طرح اگر مضارب یہ دیکھے کہ چھوٹے ارباب الاموال پر اگر ضمان ڈالا جائے تو اس سے تجارتی مصلحتوں کو ضرر پہنچے گا تو اس کے ضمان برداشت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ وہ ایک بہت بڑا ادارہ بھی ہے۔چنانچہ ایسا ہوا بھی کہ بعض بینکوں کو جب خسارے کا سامنا کرنا پڑا تو کافی بحث مباحثہ کے بعد یہی نتیجہ نکالا گیا کہ کھاتہ داروں پر اگر ضمان ڈالا گیا تو اس میں بہت سے مفاسد کا سامنا کرنا پڑے گا چنانچہ یہ مسئلہ ھیئۃ الرقابۃ الشرعیۃ کے سامنے بھی پیش کیا گیا جس نے اس شرط پر بینکوں کو ضمان برداشت کرنے کی اجازت دی کہ وہ باب تبرع کا لحاظ کریں گے اور مصالح کی رعایت اور مفاسد سے اجتناب کو مدنظر رکھیں گے۔اگر چہ فقہاء کرام مضارب کے ہاتھ میں مال کو بطور امانت مانتے ہیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے ارباب الاموال کی حفاظت کے لئے خوب کوشش فرمائی ہے اور ان کی بہت سی نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مضاربہ اور مشارکہ کی غرض نفع کا تحقق ہے نہ کہ حاجت کو دفع کرنا، بلکہ بعض بڑے فقہاء کرام نے تو مضارب کی ضمان کے لئے حیلے بھی ذکر فرمائے ہیں جن کا مقصد یہی ہے کہ ہر طرح سے مال کی حفاظت کی جائے۔(۲۰)

## بینکوں (مضارب) کے تصرفات کی بعض مثالیں

اگر بینک نے قسطوں پر کوئی چیز فروخت کی اور کلائنٹ نے رقم واپس نہیں کی تو بینک ضامن ہوگا، ہاں عقد میں اگر قسطوں پر فروخت کی اجازت کی صراحت کر دی گئی تھی تو ضامن نہیں ہوگا۔اگر مذکورہ بالا صورت میں قسطوں پر فروخت کی اجازت تو دی گئی تھی لیکن بینک نے کھاتہ داروں کے اموال کی حفاظت کے لئے مناسب احتیاطیں اختیار نہیں کیں مثلاً کلائنٹ کے بارے میں معلوم کرنا کہ وہ ادائیگی پر قادر ہے یا نہیں، یا بینکوں کے عرف کے مطابق کافی ضمانتیں حاصل نہیں کیں تو ان صورتوں میں جتنا بھی خسارہ ہو اس کا ذمہ دار بینک ہوگا۔اگر بینک نے کھاتہ داروں کی رقوم سے کسی دوسرے شخص سے مضاربت کی جب کہ عقد میں اس کی صراحت نہیں تھی تو بینک ضامن ہوگا، اسی طرح اگر کسی کے ساتھ شرکت کی یا رہن رکھوایا اور اس طرح کی دوسری صورتوں میں بھی ضامن ہوگا۔مذکورہ بالا امور سرانجام دئے اور ان کی اجازت بھی تھی لیکن لازمی احتیاطیں اختیار نہیں کیں تو ضامن ہوگا۔اسی طرح اسلامی بینک جن کے پاس بہت بڑی رقوم موجود ہوتی ہیں اگر ان کی مجلس ادارت نے فنی شعبوں، معلومات اور بحوث اور دراسات کے مرکز کو کامل نہیں بنایا تو بھی یہ بینک کی تقصیر شمار ہوگی اور اس پر ضمان کا ترتب ہونا چاہئے۔اسی طرح اگر بینک کے بنیادی قواعد اور نظام کی خلاف ورزی ہو یا ایسے ملکی قوانین کی خلاف ورزی ہو جو شریعت کے خلاف نہیں ہیں مثلاً نصوص کے خلاف نہیں ہیں تو ایسی صورت میں بھی بینک ضامن ہوگا۔مثلاً مجلس ادارت کو رقوم فراہم کرنا یا بینک کا ان کے اقارب یا مجلس ادارت کا ارکان ہی کے ساتھ معاملہ کرنا وغیرہ۔اسی طرح اگر ایسی شروط کی مخالفت کی جو مقتضائے عقد کے مناسب تھی تب بھی بینک ضامن

ہوگا۔مثلاً یہ طے ہوا تھا کہ مال رہن نہیں رکھوایا جائے گا یا صرف شہر ہی میں اس کے ذریعے تجارت کی جائے گی یا قسطوں پر چیز فروخت نہیں کی جائے گی وغیرہ۔اسی طرح تاجروں کے عرف کی بھی اگر مخالفت کی گئی تو بھی بینک ضامن ہوگا۔مثلاً تاجروں کے عرف کا تقاضا ہے کہ خوب بیدار مغزی کے ساتھ اور بینکوں اور کمپنیوں سے استفسار کر کے معاملہ کیا جائے اور ایسی جگہوں پر رقم نہ لگائی جائے جہاں اس کی حفاظت کو خطرہ ہو،اور بری شہرت والے لوگوں سے معاملہ نہ کیا جائے یا جو مفلس ہونے والے ہوں۔اسی طرح اگر خیانت کا مظاہرہ کیا گیا تو بھی بینک ضامن ہوگا مثلاً غلط معلومات فراہم کرنا،نقصان کو نفع بنا کر دکھانا، یا فرضی عقود بنا کر دکھانا وغیرہ۔(۲۱)

## کلائنٹ کا فیصد پورا کرنے کے لئے رقم ہبہ کرنا

محمد فہیم خان تحریر فرماتے ہیں کہ جب تک شریعہ سکالرز بینک کے ضامن ہونے کی بات تسلیم نہیں کر لیتے اس وقت تک ایک اور متبادل پر عمل کیا جا سکتا ہے اور وہ متبادل تبرع کا ہے۔جس طرح ہم مرابحہ کو ادھار کا متبادل سمجھتے ہیں اور کلائنٹ کو بینک کا ایجنٹ بنا کر یہ مقصد حاصل کر لیتے ہیں اسی طرح سرمایہ کاری کھاتوں کے لئے ضمانت کا متبادل فی الوقت تبرع کو بنایا جا سکتا ہے۔چنانچہ مضارب (بینک) رب المال کے رأس المال کی تبرعاً ذمہ داری اٹھا سکتا ہے۔عام قرض کے معاہدے میں تبرعاً زیادہ دے دینا جائز ہے،اگر چہ تعریف کے لحاظ سے یہ سود کہلاتا ہے۔بالکل اسی طرح اگر بینک بھی کھاتہ داروں کے نقصان کو تبرعاً پورا کرتا ہے تو بظاہر یہ بھی جائز ہونا چاہئے۔خاص طور پر ان حالات میں کہ کھاتہ دار کے نقصان کی معاصر مضبوط اور محفوظ بینکاری نظام میں کم ہی گنجائش ہوتی ہے؛ بینک رضا کارانہ طور پر یہ تبرع کرنے پر تیار ہیں؛ بینکوں کے پاس اس قسم کا تبرع کرنے کی گنجائش بھی ہے۔ایسا کرنے سے اسلامی بینکوں پر اخلاقی دباؤ بھی پڑے گا کہ وہ اپنے کھاتہ داروں کی رقم کو صحیح مصرف میں استعمال کریں۔

لیکن یہاں پر ایک اعتراض ہوسکتا ہے کہ اگر اسلامی بینک تبرع کرتا ہے اور تمام کھاتوں کی اس طریقے سے ضمانت دے دیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ رب المال نقصان کا خطرہ برداشت کئے بغیر صرف نفع ہی حاصل کر رہا ہے جو شریعت کے اصول ''الخراج بالضمان'' کے خلاف ہے یعنی جو آدمی کسی چیز کا ضمان برداشت کرتا ہے اس چیز کے منافع کا حق دار بھی وہی ہوتا ہے۔اور بینک تو اس طرح کا تبرع کرتے ہوئے کوئی پریشانی محسوس نہیں کرے گا لیکن بعض کھاتہ دار ضرور اس بات کو نا پسند کریں گے کہ وہ نقصان کا خطرہ اٹھائے بغیر صرف نفع حاصل کریں۔چنانچہ ایسے کھاتے دار اُس وقت اطمینان محسوس کریں گے جب بینک ان کے سارے نقصان کی تلافی نہ کرے بلکہ کچھ حصے کی تلافی کر دے مثلاً ۹۰ فیصد نقصان کی تلافی کر دے۔اور یہ محض ایک بہانہ تصور نہیں کیا جائے گا کیونکہ اکثر اس سہولت سے کوئی بھی فائدہ نہیں اٹھا رہا ہوگا البتہ کھاتہ دار کو اس بات کا اطمینان رہے گا کہ وہ اپنی عمر بھر کی رقم بینک کے سرمایہ کاری اکاؤنٹ میں جمع کرا دے۔البتہ بینک کو کبھی کبھار اپنے حصے کے کچھ نفع سے محروم ہونا

پڑے گا۔اور بینک یہ تبرع اس طریقے سے کرے گا کہ اپنے شئیر ہولڈرز کی سالانہ آمدن میں سے ایک حصہ شئیر ہولڈرز کے خاص اکاؤنٹ میں رکھے گا جو کھاتہ داروں کی رقم سے کئے جانے والے کاروبار میں نقصان کی صورت میں ان کھاتہ داروں کی اصل رقم کی تلافی کے کام آئے گا۔اور یہ رقم خاص اکاؤنٹ میں رکھوانا ایسے ہی ہوگا جیسے کسی تیسرے فریق کو کھاتہ داروں کے نقصان کی تلافی کے لئے انشورنس کی قسط ادا کی جارہی ہو۔ بلکہ یہ کسی تیسرے فریق کو رقم دینے سے بھی بہتر ہے کیوں کہ اس کے نتیجے میں بینک انتظامیہ پر کھاتہ داروں کی رقم استعمال کرنے میں اخلاقی دباؤ آئے گا۔(۲۲)☆

ڈاکٹر علی القرۃ داغی فرماتے ہیں کہ اگر یہ ہبہ مشروط نہ ہوتو ایسا کرنا جائز ہے کیونکہ بینکوں کے پاس تو کثیر اموال اور حتیاطیات (Reserves) موجود ہوتی ہیں اور ان کو کثیر نفع بھی حاصل ہوتا ہے، جب کہ کھاتہ داروں کے پاس بعض اوقات بس یہی رقوم ہوتی ہیں اور وہ اس امید پر یہ رقوم جمع کراتے ہیں کہ ان کے ذریعے ان کا اور ان کی اولاد کا گزارہ ہو جائے گا۔اور پھر رضا کارانہ ضمان برداشت کرنے کی فقہاء مالکیہ نے اجازت بھی دی ہے۔(۲۳)

ڈاکٹر رفیق یونس المصری تحریر فرماتے ہیں کہ اگر اسلامی بینک کی طرف سے اس کے عقود وغیرہ میں کوئی ایسی شق رکھی گئی کہ جس کی وجہ سے کھاتہ دار فائدہ حاصل کرے، مثلاً ہر مالی مدت کے اختتام پر کھاتہ داروں کو مخصوص نفع دینا، یا قرعہ اندازی کے ذریعے انعام دینا، یا ایسے کھاتہ داروں کو بینک سے قرض حاصل کرنے میں فوقیت دینا وغیرہ، تو وہ کم از کم ربا کے شبہ سے خالی نہیں ہوگی، خاص طور پر جب اس کا پہلے ہی کسی ثابت شدہ بنیاد پر اعلان بھی کر دیا جائے۔(۲۴)

رفقاء دارالافتاء بنوری ٹاؤن تحریر فرماتے ہیں:

> ۔۔۔شرکہ ومضاربہ اور ''بینک'' کے مزاج میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے، بینک کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنے کلائنٹ (Client) کو طے شدہ نفع کی یقین دہانی اور نقصان نہ ہونے کی ضمانت دیتا ہے، یہ جب ہی ممکن ہے کہ ہم کلائنٹ کی رقم کو بینک کے ذمہ قرض کہیں اور اس پر ملنے والے طے شدہ یقینی نفع کو ''سود'' کہیں۔جبکہ مضاربت میں نہ تو طے شدہ نفع کی یقین دہانی ممکن ہے اور نہ ہی کسی قسم کے نقصان کی کوئی ضمانت دی جاسکتی ہے، کیونکہ مضارب کے پاس رأس المال (Capital) محض امانت ہوتا ہے، اس لئے اگر کوئی ''بینک'' مضاربت کی بنیاد پر قائم ہو تو وہ بینک نہ تو اپنے کھاتہ داروں کو اصل رقم کی واپسی کی ضمانت دے سکتا ہے اور نہ ہی اصل رقم پر کچھ زائد دینے کی یقین دہانی کرا سکتا ہے۔اس نوعیت کا بینک اپنے کھاتہ داروں کے لئے کسی قسم کی دلچسپی اور رغبت کا سامان اپنے اندر نہیں رکھتا۔ایسے بینک کے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو بند ہو جائے یا پھر ایسی تدابیر اور حیلے اختیار کرے، جن کے ذریعہ وہ اپنے کھاتہ دار کی دلچسپی ورغبت کے لئے یقینی نفع اور نقصان سے حفاظت کی ضمانت فراہم کر سکے، جبکہ یہ یقین دہانی اور ضمانت خالص سودی طریقوں کی نہج پر سرمایہ کاری

کے بغیر ممکن ہی نہیں، اگر ایسا ہوا تو یہ بینک، مضاربت کی بنیاد پر قائم رہنے کی بجائے اپنی حقیقت اور نتیجہ کے اعتبار سے سودی بینک ہی کہلائے گا۔۔۔ یہ رائے حقیقی صورتحال پرمبنی اور نفس الامری ہے، اس رائے کا وزن روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے گھٹتا نظر نہیں آتا۔(۲۵)

ڈاکٹر ضمیر اقبال اور عباس میرا خور تحریر فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ تصور کیا گیا ہے کہ انویسٹمنٹ اکاؤنٹس نفع نقصان کی بنیاد پر چلائے جائیں گے، لیکن حقیقی عمل اس سے مختلف ہے۔اسلامی فنانشل اداروں کو اس وقت تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے جب وہ اثاثوں کی مالیت میں کمی کرتے ہیں، کیونکہ وہ عملی طور پر کھاتوں کی مالیت میں کمی نہیں کر رہے ہوتے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ اثاثوں کو ہونے والے نقصانات کو یا تو دوسرے کھاتہ دار برداشت کر رہے ہوتے ہیں یا پھر ایکویٹی ہولڈرز برداشت کر رہے ہوتے ہیں۔چنانچہ بینکوں کے اس عمل کی وجہ سے ان کی شفافیت اور معلومات فراہم کرنے کے عمل پر سوال اٹھتا ہے۔(۲۶) میزان بینک کے ایک ذمہ دار اور پول مینجمنٹ کے ماہر سے راقم کے استفسار پر پتہ چلا کہ اثاثوں کی مالیت میں کمی مثلاً گاڑی تباہ ہوگئی یا کلائنٹ نے ڈیفالٹ کر دیا وغیرہ، ان صورتوں میں میزان بینک یہ کمی کھاتہ دار کو منتقل کرتا ہے، ان کا کہنا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ بعض بینکوں میں پہلے ایسے ہوا ہو یا اب بھی بعض بینکوں میں ایسا ہو رہا ہو۔

## تجزیہ وترجیح

اسلامی بینک اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے کھاتہ دار کو کم نفع نہ ملے، چنانچہ وہ جائز شق یعنی رخصت پر عمل کرتے ہوئے اپنے حصے میں کمی کر لیتے ہیں یا پھر اپنے حصے سے دستبردار ہو جاتے ہیں تاکہ ہمارا کھاتہ دار نفع میں کمی دیکھ کر گھبرا نہ جائے اور بینک ہی سے رخصت نہ ہو جائے۔اسلامی بینک اگر اس سال رقم ہبہ کر رہا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ اگلے سال بھی کرے، اس طرح کے معاملات میں اسلامی بینک اپنے کھاتہ دار سے یہ کہتا ہے کہ مثلاً میں اپنے پچاس فیصد آپ کو دے دوں گا۔اسلامی بینک یہ بھی کرتے ہیں کہ ان کے جو بڑے بڑے کھاتہ دار ہوتے ہیں ان کے ساتھ جو تقریبی نفع کا تناسب طے کیا ہوتا ہے مثلاً ۱۴ فیصد کے قریب، اگر اس سے کم نفع ہوا مثلاً ۱۲ فیصد تو وہ اس کمی کو اپنے نفع میں سے رقم دے کر پورا کر دیتے ہیں اور وجہ وہی ہوتی ہے کہ اتنا بڑا کھاتہ دار کہیں اپنی رقم نکلوا نہ لے۔اب یہاں پر دو لحاظ سے خامی پائی جاسکتی ہے، ایک تو یہ کہ اگر اسلامی بینک ہمیشہ ہی نفع میں کمی کی صورت میں اپنی طرف سے رقم ڈال کر اپنے کھاتہ دار کا نفع پورا کرتے ہیں تو یہ 'المعروف کالمشروط' کے تحت آجائے گا۔یعنی کھاتہ دار کو یہ معلوم ہوگا کہ اسلامی بینک نے مجھے اسی طے شدہ تناسب کے لگ بھگ ہی نفع دینا ہے۔چنانچہ اسلامی بینک کو ہر دفعہ ایسا نہیں کرنا چاہئے بلکہ ایک ترتیب بنالی جائے جس کے تحت وہ کبھی تو اپنی طرف سے نفع شامل کر دے اور کبھی نہ بھی کرے تاکہ کھاتہ دار کے ذہن سے بھی یہ بات نکل جائے کہ اسلامی بینک ہمیشہ ہی میرے متوقع نفع کی کمی کو اپنی طرف سے پورا کرے

گا۔دوسری خامی یہ ہے کہ نفع کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے بڑے کھاتہ داروں کو ترجیح دی جاتی ہے اور چھوٹے کھاتہ داروں کی کمی پوری نہیں کی جاتی۔لہٰذا اگر مذکورہ بالا تجویز کردہ طریقے کے مطابق کمی کو پورا کیا جارہا ہے تو وہ تمام کھاتہ داروں کی پوری کرنی چاہئے نہ کہ صرف بڑے کھاتہ داروں کی۔اور بینک نے اس مقصد کے لئے جو رقم رکھی ہے اگر اس کو تمام کھاتہ داروں پر تقسیم کرنے کے بعد وہ کمی پوری ہو جائے تو ٹھیک ہے، ورنہ یہ ضروری نہ قرار دیا جائے کہ متوقع نفع کی وہ کمی لازمی پوری کی جائے گی۔بعض بینکوں کے شریعہ ایڈوائزرز نے بھی اس طریقۂ کار کی مخالفت کی ہے۔

معروف سکالر محمد ایوب صاحب کہتے ہیں کہ کھاتوں کی مدت اور مقدار کے لحاظ سے متفرق کھاتوں کو مختلف وزن دئے جاتے ہیں۔ڈپازٹس کی مدت جتنی زیادہ ہوتی ہے ان کے لئے مقرر کیا گیا وزن اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، بینک متفرق کھاتوں مثلاً عمر رسیدہ پنشنرز اور فلاح و بہبود کا کام کرنے والی انجمنوں کے کھاتوں کو ترجیحی طور پر نسبتاً زیادہ وزن دے سکتا ہے لیکن ایک باقاعدہ پالیسی کے تحت بڑے سائز کے ڈپازٹس کو (ایک مدت کی صورت میں) زیادہ وزن دینا انصاف کے اصولوں سے متصادم ہونے کی وجہ سے اچھی پریکٹس نہیں ہے۔(۲۷)

ڈاکٹر شاہد حسن صدیقی کا بھی یہ کہنا ہے کہ اسلامی بنکوں کو ایک ہی مدت کے میعادی کھاتوں پر بڑی رقوم کے ڈپازٹس پر چھوٹی رقوم کے کھاتوں کے مقابلے میں زیادہ شرح منافع دینے کی پالیسی پر نظر ثانی کرنا چاہئے (۲۸) ضرورت اس بات کی ہے کہ عملی طور پر بھی اس طریقے کو ختم کر دیا جائے۔باقی رہا اس بات کا خطرہ کہ اگر اس طریقے کو ختم کر دیا تو بڑے کھاتہ دار اپنی رقم نکلوا سکتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کوئی شرعی عذر نہیں ہے کہ جس کی بنیاد پر مذکورہ بالا غلط طریقے کو رواج دیا جائے بلکہ اس کے لئے کھاتہ داروں کی تربیت کی بھی اشد ضرورت ہے۔

## نتائج بحث

۱۔ اسلامی بینکوں کے لئے احتیاطی رکھنے میں تو کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن احتیاطی کا نفع ان ہی شرکاء کو ملنا چاہئے جن سے لے کر یہ نفع احتیاط کے طور پر رکھا گیا تھا، آئندہ آنے والے شرکاء کو یہ نفع نہیں ملنا چاہئے۔کھاتہ دار کی جو رقم احتیاطی میں رکھی ہوئی ہے وہ بھی کیونکہ پچھلے اثاثوں سے حاصل شدہ ہے یا موجودہ اثاثوں کی پچھلی مدت سے حاصل شدہ ہے اور کھاتہ دار کا حق بن چکی ہے اس لئے وہ رقم بھی شرکت سے نکلتے وقت موجودہ کھاتہ دار ہی کو ملنی چاہئے نہ کہ آنے والے کھاتہ دار کو۔

۲۔ مشارکہ متناقصہ میں اگر اجارہ داخل نہ ہو تو ابتدائی طور پر بینک اور اس کے کلائنٹ کے درمیان جو شرکت قائم ہوتی ہے وہ شرکت العقد کہلائے گی چنانچہ اس میں بینک کے لئے پہلے سے ہی اپنے حصص کی قیمت فروخت متعین کر لینا جائز نہیں ہوگا۔اور اگر مشارکہ متناقصہ میں اجارہ کو داخل کیا جائے تو وہ شرکت الملک ہے نہ کہ شرکت العقد۔پھر اگر کلائنٹ کی

طرف سے مشارکہ متناقصہ میں بینک کے حصص خریدنے کا وعدہ ملزمہ ہے یعنی اس کو قضاء پورا کرنا بھی ضروری ہے تب تو یہ حصص قیمت اسمیہ (Face Value) پر بیچنے چاہئیں نہ کہ بازاری قیمت پر۔اور اگر کلائنٹ کی طرف سے وہ چیز خریدنے کا وعدہ غیر ملزمہ ہے تو اس صورت میں اثاثے کی فروخت بازاری قیمت اور قیمت اسمیہ دونوں پر ہوسکتی ہے۔بینک اور کلائنٹ پہلے یہ طے کرسکتے ہیں کہ وہ ان دونوں میں سے کس قیمت پر اثاثے کی خرید وفروخت کریں گے۔البتہ اگر وعدہ غیر ملزمہ ہو تو اثاثے کو بازاری قیمت پر بیچنا زیادہ بہتر ہے اور اگر اس چیز کی قیمت بڑھ گئی تو بینک کلائنٹ کو اپنی طرف سے قیمت میں کچھ چھوٹ بھی دے سکتا ہے بشرطیکہ وہ 'المعروف کالمشروط' کے تحت نہ آجائے۔اور مشارکہ متناقصہ پر یہ اعتراض کرنا بھی درست نہیں ہے کہ 'اس میں بینک کی غرض شراکت داری نہیں ہوتی اور نہ ہی اس کے پیش نظر بیع اور اجارہ ہوتے ہیں بلکہ اصل مقصد تمویل ہوتا ہے۔اور اس میں بیع اور اجارہ کو دراصل تمویل کے ذریعے فائدہ حاصل کرنے کے لئے لایا جاتا ہے'، کیوں کہ بیع اور اجارہ کے الگ الگ مستقل اثرات ہوتے ہیں جو مشارکہ متناقصہ میں اپنے اپنے اوقات میں ظاہر ہوتے ہیں۔

۳۔ اسلامی بینکوں کو اپنے کھاتہ داروں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ ہمیں فلاں فلاں مد میں نقصان ہوا ہے جن میں سے فلاں نقصان ہماری تعدی وتقصیر کی وجہ سے ہوا اور فلاں میں ہماری تعدی وتقصیر شامل نہیں ہے۔اور یہ بتانا اس لئے ضروری ہے تاکہ کھاتہ داروں کا نقصان برداشت کرنے کا مزاج بھی بنے جو ابھی تک نہیں بن سکا۔کھاتہ داروں کو صرف نفع لینے کی عادت ڈال دینا شریعت کے تقاضے کے خلاف ہے۔اور اگر تعدی کی وجہ سے صرف نفع میں کمی ہو رأس المال میں نہ ہو تو بھی اس کی ذمہ داری مضارب پر ہوگی۔اور جہاں پر بینک نے تعدی نہیں کی لیکن وہ کھاتہ داروں کو پورا نفع دینے کے لئے اپنی تعدی ظاہر کرے تو ایسا کرنا بھی شرعاً درست نہیں ہوگا۔

۴۔ مضارب یا شریک کا ہلاکت وعدم تعدی وتقصیر کی صورتوں میں گواہوں کے بغیر قول معتبر نہیں ہونا چاہئے جب کہ اس کے جھوٹ کا قرینہ اور ظاہری سبب بھی موجود ہو، یا اس کا دعویٰ تاجروں کے عرف کے خلاف ہو۔لہٰذا جب تہمت قوی ہو تو مضارب یا شریک کی طرف سے گواہ قائم ہونے چاہئیں۔لیکن اگر جھوٹ کا قرینہ یا ظاہری سبب موجود نہ ہو اور اس کا دعویٰ تاجروں کے عرف کے خلاف بھی نہ ہو تو صرف قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر مان لیا جائے گا۔

۵۔ اسلامی بینکوں کے لئے لوگوں کو بچت کھاتوں میں جمع شدہ رقوم کی حفاظت کی یقین دہانی کرانا ناجائز ہے۔

۶۔ اسلامی بینکوں کے لئے کھاتہ داروں کا فی صد پورا کرنے کے لئے ہمیشہ اپنی طرف سے ان کو نفع دینا درست نہیں ہے اور یہ 'المعروف کالمشروط' کے تحت آ کرنا جائز ہو جائے گا۔اگر اسلامی بینک اپنے کھاتہ دار کو بطور ہبہ نفع دینا چاہیں تو اس کے لئے انہیں ایک ترتیب بنا لینی چاہئے جس کے تحت وہ کبھی تو اپنی طرف سے نفع شامل کردیں اور کبھی نہ بھی کریں تاکہ کھاتہ دار کے ذہن سے یہ بات نکل جائے کہ اسلامی بینک ہمیشہ ہی میرے متوقع نفع کی کمی کو اپنی طرف

سے پورا کر دے گا۔اور یہ کمی پوری کرنے میں بڑے کھاتہ داروں کو چھوٹے کھاتہ داروں پر ترجیح دینا درست نہیں، جیسا کہ اسلامی بینکوں میں رائج ہے۔ بینک نے اس مقصد کے لئے جو رقم رکھی ہے اگر وہ رقم تمام چھوٹے بڑے کھاتہ داروں پر ان کی رقوم کے تناسب سے تقسیم کرنے کے بعد کمی پوری کر دے تو ٹھیک ہے ورنہ یہ ضروری قرار نہ دیا جائے کہ متوقع نفع کی تمام کمی لازمی پوری کی جائے گی۔بعض بینکوں کے شریعہ ایڈوائزرز نے بھی اس طریقہ کار کی مخالفت کی ہے، لہٰذا اس طریقہ کار کا عملی طور پر ختم ہونا ضروری ہے۔

## حوالہ جات


۱ المعايير الشرعية، هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الاسلامية، بحرين ،ص : ۲۱۱، ۱۴۳۱/۲۰۱۰ء

۲ عثمانی،محمد تقی،مفتی،املائی افادات ' المعايير الشرعية'،الشركة (المشاركة) والشركات الحديثة ،ص:۹۸،۱۴۲۵ھ

۳ رفقاء دارالافتاء والارشاد، غیر سودی بینکاری،ص ص:۱۲۶۔۱۲۵،مکتبہ الحجاز، کراچی،۱۴۳۰ھ

۴ ایضاً، غیر سودی بینکاری،ص:۱۲۸

۵ المعايير الشرعية،ص:۲۲۰

☆ لیکن المعاییر میں مشارکہ متناقصہ کو شرکت عنان قرار دینے کی وجہ سے قیمت اسمیہ پر بیچنے کی شرط لگانے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے جبکہ حافظ ذوالفقار صاحب نے ماقبل میں یہ ثابت کیا ہے کہ مشارکہ متناقصہ شرکت عنان نہیں ہے۔راقم

۶ ذوالفقار علی، حافظ، دور حاظر کے مالی معاملات کا شرعی حکم،ملخص ص ص:۵۶۔۱۵۲،ابو ہریرہ اکیڈمی، لاہور،۲۰۰۸ء

☆ لیکن یہ بات بھی مدنظر رہنی چاہئے کہ بہر حال اس صورت میں بیع اور اجارہ کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔راقم

۷ رفيق يونس، المصرى، المصارف الاسلامية، ص:۳۰، مركز النشر العلمى، جامعة الملك عبد العزيز، جده،س.ن

۸ نزيه كمال حماد، دكتور،المشاركة المتناقصة وأحكامها فى ضوء ضوابط العقود المستجدة، مجلة مجمع الفقه الأسلامى، السنة الثالثة عشرة، العدد الخامس ، ملخص ص ص: ۲۸۱.۱۹۳

۹ ايضاً، ملخص ص ص: ۲۸۱.۱۹۳)

۱۰ السرخسى،المبسوط،محمد بن ابى سهل،المبسوط،كتاب الشركة،۱۱,۱۵۱ ، دار المعرفة، بيروت، ۱۴۰۶ھ

۱۱ عثمانی، املائی افادات ' المعايير الشرعية '،ص:۱۰۴

۱۲ تھانوی،اشرف علی،مولانا،امداد الفتاویٰ، کتاب البیوع،۳/۱۰۹،مکتبہ دارالعلوم کراچی،۲۰۰۳ء

۱۳ ایضاً،۴/۶۳،۶۴

۱۴ الجزیری،عبد الرحمٰن،کتاب الفقه علیٰ المذاهب الاربعه، ۳/۳۴،دارالفکر، بیروت، س.ن؛
ابن قدامه،احمد بن محمد، المغنی،کتاب الشرکة،۵/۱۶۵، دارالفکر، بیروت، ۱۴۰۵ھ؛
الصدیق محمد، الأمین الضریر،مدی مسؤولية المضارب ومجالس الادارة عما يحدث من الخسارة،ص ص: ۲۶، ۲۱، مجلة المجمع الفقهي الاسلامي، السنة الثامنة، العدد العاشر، مجمع الفقهي الاسلامي،۲۰۰۵ء؛
القرة داغی، علی بن محی الدين،مدی مسؤولية المضارب والشريک.البنک ومجلس الأدارة.عن الخسارة، ص:۸۸،مجلة المجمع الفقهي الاسلامي، السنة الثامنة، العدد العاشر، مجمع الفقهي الاسلامي،۲۰۰۵ء

۱۵ النسفی ،عبدالله بن احمد،البحر الرائق،کتاب المضاربة،۷/۴۴۸.۴۴۹ مکتبة عباس احمد الباز،مکة المکرمة، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء؛ کتاب الفقه علیٰ المذاهب الاربعه، ۳/۳۵.۳۶؛ المغنی،کتاب الشرکة،۵/۱۲۹

۱۶ المغنی،کتاب الشرکة،فصل: والعامل امين في مال المضاربة،۵/۱۹۲

۱۷ الأتاسي، محمد خالد، شرح المجلة ،۴/۲۷۵، مکتبة رشيدية، کوئٹه، س.ن

۱۸ مدی مسؤولية المضارب والشريک.البنک ومجلس الأدارة.عن الخسارة،ص ص: ۱۱۹.۱۲۱

☆ جب بینک کی اپنی حیثیت واضح ہوگئی اور اسے مضارب تسلیم کرلیا گیا تب اسے اجیر مشترک سے تشبیہ دینا سمجھ میں نہیں آتا،خواہ وہ کئی افراد کے لئے مضاربہ کیوں نہ کررہا ہو۔ یہ تشبیہ تو اس وقت دی جاتی کہ جب بینک کی اپنی حیثیت واضح نہ ہورہی ہوتی۔راقم)

۱۹ رفيق يونس، المصری، المصارف الاسلامية ، ص ص: ۱۴-۱۶، مرکز النشر العلمي، جامعة الملک عبدالعزيز، جده، س.ن

۲۰ مدی مسؤولية المضارب والشريک.البنک ومجلس الأدارة.عن الخسارة،ص ص: ۹۱،۹۲،۱۱۲

۲۱ ایضا،ملخص ص ص: ۱۱۳.۱۱۹

22 Muhammad Faheem, Khan, guaranteeing Investment Deposits in Islamic Banking System, J. KAU: Islamic Econ., Vol. 16, No. 1, pp. 45- 51, 2003, IRTI, Jeddah.

☆ اسلامی بینکوں میں نفع کی تقسیم کھاتوں کی نوعیت کے لحاظ سے ہر ماہ تقریباً ایک جیسی ہی رہتی ہے جسے مختلف اسلامی بینکوں کی ویب سائٹس پر دیکھا جا سکتا ہے۔اور اس میں ہر ماہ جو فرق (اگر فرق ہو تو) ہوتا ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔اس کی ایک وجہ اسلامی بینکوں کا ایسی جگہوں پر رقم لگانا بھی ہوسکتا ہے جہاں سے ان کو تقریباً ایک جیسا نفع ملتا ہے مثلاً مرابحہ، اجارہ، مشارکہ متناقصہ وغیرہ۔اور اس کی دوسری وجہ اسلامی بینکوں کا اپنے کھاتہ داروں کے بھاگ جانے کے ڈر سے اگر نفع کم ہوا ہے تو بھی ان کا فیصد پورا کرنا اور اگر نفع زیادہ ہوا ہے تب بھی (کہ کہیں اگلے ماہ کھاتہ دار یہ نہ کہیں کہ پچھلے ماہ تو زیادہ نفع ہوا تھا اس ماہ کم کیوں ہوا ہے؟ کیا آپ کو نقصان ہوگیا ہے؟ وغیرہ) ان کا فیصد پورا کرنا یا فیصد کے قریب قریب رہنا ہوسکتا ہے۔ایک اسلامی بینک کے شریعہ ایڈوائزر سے یہ بات معلوم کی تو انہوں نے یہ کہا کہ مجموعی طور پر نفع میں کمی بیشی تو ایک بہت بڑی رقم کی صورت میں ہوتی ہے،لیکن جب علیحدہ علیحدہ ہر کلائنٹ کو نفع تقسیم کیا جاتا ہے اور نفع وصول کرنے والے

کلائنٹس کی ایک بہت بڑی تعداد ہوتی ہے جو نفع وصول کرتی ہے تو اِس درجے پر آ کر نفع میں جو کمی بیشی ہوتی ہے وہ بہت کم ہو جاتی ہے اور بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید نفع میں کوئی معتد بہ کمی بیشی نہیں ہوئی، حالانکہ درحقیقت نفع میں اچھی خاصی کمی بیشی ہو چکی ہوتی ہے۔ راقم

۲۳ القرة داغي،مدى مسؤولية المضارب والشريک.البنک ومجلس الأدارة.عن الخسارة،ص :۱۲۳

۲۴ المصارف الاسلامية، ص:۱۳

۲۵ رفقاء دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی، مروجہ اسلامی بینکاری، ص:۱۹۲، مکتبہ بینات، کراچی، ۲۰۰۹ء

(26) Zamir Iqbal, Dr., Abbas Mirakhor, Dr., An Introduction to Islamic Finance:Theory andpractice, P: 152, Vanguard Books,Lahore, 2008

۲۷ محمد ایوب، اسلامی مالیات، ص:۴۴۰، رفاہ سنٹر آف اسلامک بزنس، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء

۲۸ صدیقی، شاہد حسن، ڈاکٹر، اسلامی بنکاری۔ دردمندانہ گزارشات، روزنامہ جنگ، ۰۷۔۱۰۔۷